لفظِ ربّ العٰلمین

کی

علمی و سائنسی تحقیق

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

لفظِ ربُ العالمین

کی

علمی و سائنسی تحقیق

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاج القرآن پبلیکیشنز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور

فون: 3-5169111

نام کتاب : لفظ رب العالمین کی علمی و سائنسی تحقیق

مصنف : ڈاکٹر محمد طاہر القادری

پروف ریڈنگ : عبدالستار منہاجین

کمپوزنگ : محمد یامین

زیرِ اہتمام : فریدِ ملتؒ ریسرچ اِنسٹیٹیوٹ

مطبع : منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور

نگران طباعت : شوکت علی قادری

اشاعت اول تا سوئم : (7100)

اشاعت چہارم : اپریل 2003ء (1100)

اشاعت پنجم : ستمبر 2005ء (1100)

قیمت امپورٹڈ پیپر : -/70 روپے

❁❁❁

نوٹ: ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو / ویڈیو کیسٹس اور CDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لئے تحریکِ منہاج القرآن کے لئے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاج القرآن پبلیکیشنز)

publications@minhaj.biz

مولای صل وسلم دائما ابدا
علی حبیبک خیر الخلق کلهم
محمد سید الکونین والثقلین
والفریقین من عرب ومن عجم

گورنمنٹ آف پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی-۱) ۴-۱/۸۰ پی آئی وی مورخہ ۳۱ جولائی ۸۴، گورنمنٹ آف بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ ای جنرل وایم ۴/ ۹۷۰-۷۳- مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء، شمال مغربی سرحدی صوبہ کی حکومت کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این-۱/۱ اے ڈی (لائبریری) مورخہ ۳۰ اگست ۸۶ء اور آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر مظفر آباد کی چٹھی نمبر س ت / انتظامیہ / ۶۳-۸۰۶۱ / ۹۲ مورخہ ۲ جون ۹۲ء کے تحت پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصنیف کردہ کتب ان صوبوں میں تمام کالجوں اور سکولوں کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

فہرست

فصل اول

لفظِ ربُ العالمین کی علمی تحقیق

لفظ رب کی علمی تحقیق

یہ لفظ سورہ فاتحہ میں ذات باری تعالیٰ کی پہلی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے' جس کے معنی مربی اور مالک کے ہیں۔ فاتحۃ الکتاب میں باری تعالیٰ کی شان الوہیت پر دلالت کرنے والے پہلے صفاتی نام کی حیثیت سے اس کے معنی و مفہوم کو مختلف جہتوں سے سمجھنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس کے اندر مضمر اعلان ربوبیت در حقیقت توحید الٰہی کا سب سے کامل اور بین ثبوت ہے۔ کیونکہ دور جاہلیت کے کفار و مشرکین کی طرح انسانی زندگی میں شرک' تصور خالقیت کی راہ سے کم اور تصورِ ربوبیت کی راہ سے زیادہ داخل ہوا ہے۔

یہ امر ثابت اور مسلّم ہے کہ کفار و مشرکین عرب اللہ تعالیٰ کو نام خواہ کچھ بھی دیتے ہوں' اسے رب الارباب ضرور مانتے تھے۔ کائنات میں اس کی مطلق بڑائی سے کسی کو انکار نہ تھا۔ مسئلہ صرف یہ تھا کہ وہ اس بالا دست ہستی کے نیچے کئی رب اور بھی مانتے تھے اور اسی عقیدے نے ان کی جبینوں کو متعدد خداؤں کی پرستش کے لیے جھکا دیا تھا۔ ربوبیت میں اس تصور شراکت نے عقیدہ توحید کے خالص اور نکھرے ہوئے چہرے کو ان کی نظروں سے اوجھل کر دیا تھا۔ بنابریں ہم لفظ رب کے معنی کا جائزہ علمی و عملی ہر دو گوشوں سے لینا چاہتے ہیں تاکہ اس کے حقیقی مفہوم اور تصور کی معرفت حاصل ہو سکے۔ اس کی مختصر تحقیق یہ ہے کہ یہ لفظ تربیت کے معنی میں اصلاً مصدر ہے مگر اس کا اطلاق وصفاً فاعل کے معنی میں ہوتا ہے۔ جیسے عادل کے لیے مبالغۃً عدل کا اور صائم کے لیے صوم کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ فی الحقیقت رب صرف مربی کو نہیں بلکہ نہایت ہی کامل مربی کو کہا جا سکتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ جو خود ہر جہت سے کامل ہو وہی دوسرے کی کامل تربیت کرنے کا اہل ہو سکتا ہے۔ اس لیے تربیت کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

التربية هي تبليغ الشئي الى كماله شيا فشيا۔

تربیت سے مراد کسی چیز کو درجہ بدرجہ اس کے کمال تک پہنچانا ہے۔

(تفسیر أبی السعود،۱:۱۳)

بعض اہل علم کے نزدیک لفظ رب' مربی کے معنی میں خود نعت ہے۔ (جیسے نعمّ. ینمّ . فھونمٌ ، ربّ ، یربّ ، فھو ربٌّ) لیکن دونوں صورتوں میں اصل مفہوم اور اس کی دلالت ایک ہی رہتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اصل میں یہ لفظ راب تھا جس کی درمیانی الف حذف کر دی گئی اور رجل بار سے رجل بر کی طرح راب سے لفظ رب رہ گیا۔ جیسا کہ ابو حیان کا قول ہے۔ بعض نے اسے مبالغہ پر اسم فاعل بھی قرار دیا ہے اور بعض نے صفت مشبہ کیونکہ وہ بسا اوقات فاعل کی صورت میں بھی پائی جاتی ہے مثلاً الخالق' المنعم اور الصاحب وغیرہ ہیں۔

تربیت اور ملکیت

ائمہ تفسیر نے بالعموم رب کے معنی میں دو صفات کو شامل کیا ہے۔ ان دونوں کی اپنی اپنی جگہ معنوی حکمت وافادیت معلوم ہونی چاہیئے۔

تربیت: اس کی تعریف سے واضح ہے کہ یہ دو شرائط کا تقاضا کرتی ہے:۔

i۔ تکمیل

ii۔ تدریج

تربیت کی مختصر تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:۔

هو التبليغ الى الكمال تدريجاً۔

یہ کسی شے کو تدریجا کمال تک پہنچانے کا نام ہے۔

امام راغب اصفہانی ؒ نے اس مفہوم کو نہایت بلیغ انداز میں واضح کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

الرب فی الاصل التربیة و ھو انشاء الشیء حالا فحالًا الیٰ حد التمام۔	لفظ رب اصلاً تربیت کے معنی میں ہے اور اس سے مراد کسی چیز کو درجہ بدرجہ مختلف احوال میں سے گزارتے ہوئے
(المفردات:۱۸۴)	آخری کمال کی حد تک پہنچا دینا ہے۔

کمال سے یہاں مراد ہے ما یتم به الشیء فی صفاته یعنی یہ کسی چیز کی وہ حالت ہوتی ہے جہاں وہ اپنی جملہ صفات کے اعتبار سے انتہا کو پہنچ جائے۔ ان توضیحات سے معلوم ہوا کہ اگر تربیت پانے والا اپنے کمال یعنی صفاتی انتہا کو نہ پہنچے' تب بھی تربیت نامکمل رہی' اور اگر اس نے جملہ تدریجی اور ارتقائی مراحل طے نہ کیے ہوں تب بھی تربیت کامل نہ ہوئی۔ لہٰذا نظام تربیت کا کمال یہ ہے کہ مربوب (تربیت پانے والا) تدریجی اور ارتقائی منزلوں میں سے گزرتا ہوا اپنی صفات کی آخری حد کو پالے۔ اس تصور تربیت سے مزید دو باتوں پر روشنی پڑتی ہے:۔

۱۔ حفاظت و کفالت اور ملکیت و قدرت

۲۔ ارتقاء میں تسلسل اور استمرار

حقیقی تکمیل اس وقت تک ممکن نہیں جب تک مربوب کی تمام ضرورتوں کی صحیح کفالت اور اس کے جملہ مفادات کی صحیح حفاظت نہ ہو۔ اگر کسی بھی جہت سے مربوب کی کفالت یا حفاظت میں کوئی کمی رہ جائے تو اس کی تکمیل ناممکن ہو جاتی ہے۔ اور کفالت و حفاظت کی جملہ شرائط اس وقت تک پوری نہیں ہو سکتیں جب تک وہ شے کاملاً مربی کے قبضہ و تصرف میں نہ ہو۔ اگر مربی بلا شرکت غیرے اپنے مربوب کا مالک ہو اور بحیثیت مالک اسے اپنے مربوب کے تمام معاملات میں مکمل تصرف اور قدرت حاصل ہو تو تبھی وہ بتمام و کمال کفالت و حفاظت کی ذمہ داری پوری کر سکتا ہے' جس کے نتیجے میں اس کا کامل مربی ہونا واقعہ بن سکے گا اور اس کی تربیت حقیقی تربیت قرار پائے گی۔ اس لیے لفظ رب اس الوہی شان کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ کامل مربی و مالک ہے۔ وہی قادر اور جمیع امور میں حقیقی متصرف ہے۔

اس کی شان ربوبیت میں کوئی شریک ہے نہ دخیل۔ اس لیے اس کا رب ہونا علی الاطلاق ہے جبکہ اس عالم اسباب میں کئی افراد جو ایک دوسرے کے مربی ہوتے ہیں، انہیں جب مجازاً رب کہا جاتا ہے تو ہمیشہ اضافت کی شرط کے ساتھ کہا جاتا ہے۔ مثلاً گھر اور گھوڑے کے مالک کو مجازاً رب الدار اور رب الفرس کہا جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے میں ایک شخص سے بادشاہ مصر کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

اُذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ فَأَنْسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ۔

(یوسف، ۱۲:۴۲)

اپنے بادشاہ کے پاس میرا ذکر کر دینا (شاید اسے یاد آجائے) کہ ایک اور بے گناہ بھی قید میں ہے) مگر شیطان نے اسے اپنے بادشاہ کے پاس (وہ) ذکر کرنا بھلا دیا۔

اسی طرح آپ ایلچی کو فرماتے ہیں:

اِرْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِي قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ۔

(یوسف، ۱۲:۵۰)

اپنے بادشاہ کے پاس لوٹ جاؤ اور اس سے (یہ) پوچھ (کہ) ان عورتوں کا (اب) کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے۔

اسی طرح والدین کی نسبت بارگاہ ایزدی میں اس دعا کی تلقین فرمائی گئی ہے:۔

وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيْرًا۔

(بنی اسرائیل، ۱۷:۲۴)

اور (اللہ کے حضور) عرض کرتے رہو اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے (رحمت و شفقت سے) پالا تھا۔

یہاں بھی رَبَّیٰنِی کا فعل رب مصدر سے والدین کے حق میں مجازاً استعمال کیا گیا ہے۔ الغرض جہاں بھی رب بطور مصدر یا کسی فرد کے لیے مجازاً استعمال ہوگا کسی نہ کسی

اضافت کے ساتھ ہوگا۔ مطلقاً اس کا استعمال صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے کیونکہ حقیقی مربی اور مالک مطلق وہی ذات ہے اور اسی کی ملکیت و پرورش ساری کائنات کے لیے علی الاطلاق ہے۔ اس لیے وہی اکیلا قادر مطلق اور مسبب الاسباب ہے۔ اگر اس کی اس شان ربوبیت میں کوئی اور شریک ہوتا تو نظام کائنات اس حسن تدبیر کے ساتھ کبھی نہ چل سکتا۔ جیسا کہ خود قرآن اعلان فرماتا ہے:۔

لَوْ كَانَ فِيْهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللهُ لَفَسَدَتَا۔ (الانبیاء ۲۱:۲۲)	اگر ان دونوں (زمین و آسمان) میں اللہ کے سوا اور (بھی) معبود ہوتے تو یہ دونوں تباہ ہو جاتے۔

بنا بریں بعض مفسرین نے رب کا اطلاق مالک، نگران، مربی، مدبر، منعم، مصلح اور معبود کے معانی پر کیا ہے۔ اور بطور خاص حفظ اور ملک کو معنی ربوبیت کا لازمی حصہ تصور کیا ہے۔

دوسری بات جو معنی تربیت میں شامل ہے وہ تکمیل کے سلسلے میں تدریج وارتقاء کا تسلسل اور استمرار ہے۔ تدریج باب تفعیل کے خواص میں سے ہے اور تدریج و ارتقاء کی صحت اس کے تسلسل اور استمرار پر منحصر ہوتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کمال کی طرف بڑھنے کا سلسلہ رفتہ رفتہ اور درجہ بدرجہ کسی مرحلے پر رکے بغیر جاری رہے تو تدریج کی صحت اور فوائد برقرار رہتے ہیں اور اگر درمیان میں انقطاع اور عدم تسلسل آجائے تو تکمیل متاثر ہو جاتی ہے۔ نظام ربوبیت اور تصور ارتقاء پر باقاعدہ گفتگو تو ذرا آگے چل کر ہوگی لیکن یہاں اسی قدر سمجھ لینا ضروری ہے کہ رب کے نظام پرورش میں تدریج وارتقاء بھی ہے اور تسلسل و استمرار بھی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں واضح فرمایا گیا ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ٥ الَّذِىْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ٥ فِىْٓ اَىِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ٥

(الانفطار، ۸۲:۶-۸)

اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے رب کریم کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیا؟ جس نے تجھے پیدا کیا، پھر اس نے تجھے درست اور سیدھا کیا، پھر وہ تیری ساخت میں متناسب تبدیلی لایا جس صورت میں بھی چاہا اس نے تجھے ترکیب دے دیا۔

اس آیت میں باری تعالیٰ نے اپنا ذکر شان ربوبیت سے فرمایا ہے اور ساتھ ہی انسانی شخصیت کی جسمانی تکمیل کے سلسلے میں تدریج اور تسلسل کو بیان کیا ہے جس سے مذکورہ بالا تصور کو اجمالی تائید میسر آجاتی ہے اور لفظ رب کی اس معنوی خصوصیت کو سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔

ربوبیت اور اعانت میں فرق

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اقدس کو قرآن مجید میں کم و بیش نو سو اڑسٹھ (968) مرتبہ شان ربوبیت کے ذریعے بصراحت متعارف کرایا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی یہ شان مخلوقات عالم کے ہر وجود کو اپنے فیض سے نواز رہی ہے۔ فیضیاب تو کئی صورتوں میں لوگ ایک دوسرے سے ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً کوئی پیاسے کو پانی پلاتا ہے، کوئی بھوکے کو کھانا کھلاتا ہے، کوئی محتاج کی مالی اعانت کرتا ہے، کوئی کمزور کا سہارا بنتا ہے، یہ ساری نفع بخشیاں اور فیض رسانیاں ایک دوسرے کی امداد و اعانت کی مختلف صورتیں اور احسان و انعام کی مختلف شکلیں ضرور ہیں مگر ربوبیت کے عنوان میں نہیں آسکتیں، کیونکہ ربوبیت سے مراد کسی کی پرورش کرنا اور پالنا ہے۔ مذکورہ بالا سب صورتیں اپنی نوعیت اور دائرہ کار کے لحاظ سے دو جہتی یا سہ جہتی اعانتیں ہیں، مگر ربوبیت ہمہ گیر و ہمہ جہت شے ہے۔ مزید یہ کہ

دوسری تمام اعانتیں ہنگامی اور وقتی ہو سکتی ہیں مگر ربوبیت ایک مستقل اور مسلسل عمل ہے جو کبھی بھی منقطع نہیں ہو سکتا۔ وہ ہر حال میں ہر لحظہ جملہ سمتوں میں جاری رہتا ہے۔ عام اعانتوں احسانات و انعامات سے ضرورت مندوں کی ایک دو ضرورتوں اور حاجتوں کی تکمیل کا سامان ہوتا ہے۔ لیکن انسانی وجود کو اپنی پیدائش سے پہلے بطن مادر کے دور سے لے کر عالم شباب کو پہنچنے اور اس کے بعد ضعف و پیری کے مرحلوں میں سے گزرنے کے لیے ہر زمانے میں جو جو حاجت اور ضرورت ہوتی ہے ربوبیت اس کی کفیل ہوتی ہے۔ پھر حاجت و ضرورت کی تکمیل کے لیے عالم داخل اور عالم خارج میں جیسے جیسے حالات' تقاضے' تغیرات' عواطف و میلانات اور احوال و کیفیات درکار ہوتی ہیں ربوبیت انہیں بغیر کسی مطالبے بغیر کسی تاخیر کے از خود مہیا کرتی رہتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ خوبی کسی ایسی ذات میں ہو سکتی ہے جو ہر وجود پر ابتداء سے انتہاء تک اپنے علم و قدرت کے ساتھ حاوی اور محیط ہو' اس کی مالک اور نگہبان ہو۔ اس کی ہر حالت اور ضرورت سے ہر وقت اچھی طرح واقف اور اس پر نہایت شفیق اور مہربان ہو۔ ہر قسم کی مدد و اعانت پر مکمل طور پر قادر اور خود ہر حاجت و ضرورت سے کلیتہً بے نیاز ہو اور تمام امور میں حقیقی متصرف اور مدبر ہو۔ یہ تمام خوبیاں چونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں نہیں ہو سکتی تھیں، اس لیے اس نے الحمد للہ فرما کر حقیقتاً خود کو مستحق حمد ٹھہرایا اور استحقاق حمد کی دلیل اپنی ربوبیت کو قرار دیا جو فی الحقیقت صرف اسی کی شان ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

قُلْ أَغَيْرَ اللهِ أَبْغِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ۔

(الانعام ۶: ۱۶۴)

فرمادیجئے کیا میں اللہ کے سوا کوئی دوسرا رب تلاش کروں حالانکہ وہ ہر شے کا پروردگار ہے۔

العالمین کا مفہوم

باری تعالیٰ نے اپنی صفت ربوبیت کی اضافت و نسبت اس لفظ کے ساتھ کی ہے۔

اس لئے یہ جاننا انتہائی ضروری ہو جاتا ہے کہ العالمین سے کیا مراد ہے؟ عالمین 'عالم کی جمع ہے۔ یہ اسم جنس ہے اور خود بھی جمع ہے مگر اس کا واحد کوئی نہیں، جیسے لفظ الناس جمع ہے مگر اس کا واحد کوئی نہیں۔ یہ "ع، ل، م" سے مشتق ہے اور اسم آلہ ہے۔ اس کی مختصر ترین تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:۔

العالم اسم لما يعلم به۔	عالم وہ اسم ہے جس سے کسی کو جانا اور پہچانا جائے۔
(تفسیر ابی السعود، ۱: ۱۳)	
(تفسیر روائع البیان '۱: ۲۴)	

گویا عالم وسیلہ علم ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس کو جاننے کا وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ اس کا مختصر جواب اس تعریف میں مضمر ہے:۔

إنه من العلامة و هو يقوى قول أهل النظر فكانه إنما سمى عندهم بذالك لأنه دالّ على وجود الخالق۔	"عالم" کے علامت سے (مشتق) ہونے کی وجہ سے اہل نظر کا یہ قول برحق ثابت ہوتا ہے کہ اسے "عالم" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے خالق کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔
(تفسیر زاد المسیر، ۱: ۱۲)	

واضح رہے کہ کسی کو معلوم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے سے موجود ہو۔ موجود کی دو اقسام ہیں:۔

۱۔ واجب الوجود ۲۔ ممکن الوجود۔

واجب الوجود تو فقط باری تعالیٰ ہے اور ممکن الوجود اس کے سوا سب کچھ ہے۔ جو ذات واجب الوجود ہے وہ ہمارے حواس و مشاہدات 'عقلی ادراکات حتی کہ قلبی لطائف و انکشافات سے بھی ماوراء ہے۔ اس کی حقیقت انسان کی ہر سطح کی نفسی استعداد کے حیطہء ادراک سے بلند ہے۔ وہ موجود ہے لیکن غیر مرئی اور غیر محسوس۔ اس لیے اسے جاننے کے لیے کوئی ذریعہ اور وسیلہ چاہیئے۔ چنانچہ اس نے اپنی معرفت کے ذریعے اور وسیلے کے طور پر

پوری کائنات کو تخلیق کیا، یہ کائنات ممکن الوجود ہے مگر واجب الوجود پر دلالت کرتی ہے، جو خود حادث ہے مگر قدیم پر دلالت کرتی ہے' جو خود عارضی مگر دائمی پر دلالت کرتی ہے، جو خود متغیر ہے مگر غیر متغیر پر دلالت کرتی ہے' جو خود اضافی ہے مگر حقیقی پر دلالت کرتی ہے' جو خود محدود ومتناہی ہے مگر غیر محدود اور لامتناہی پر دلالت کرتی ہے۔ الغرض کائنات پس و بالا کے وجود کا ہر ذرہ اور اس کے نظام کا ہر گوشہ اپنے خالق و منتظم کی نشاندہی کرتا ہے۔ عالم ذریعہ علم ہے اور وہ ذات حق خود مقصود علم۔ حق یہ ہے کہ یہاں العالمین کا معنوی اطلاق اللہ کی مخلوق کی کسی خاص نوع یا صنف سے مختص نہیں بلکہ جملہ مخلوقات کی تمام انواع و اصناف اور افراد و اجزاء کو شامل ہے۔ اس کائنات ہست و بود میں جس شے کی بھی دلالت ذات حق اور اس کی ربوبیت پر موجود ہے، وہ العالمین میں داخل ہے۔ کیونکہ اس کا وجود اس کے صانع کے وجود کی دلیل ہے اور یہی مفہوم عالم ہے۔ امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں:۔

العالم آلة فی الدلالة علی صانعه۔ (المفردات' ۳۴۴)	عالم اپنے بنانے والے کے وجود کے لیے آلہ دلالت ہے۔

اسی قبیل سے علم ہے جس کے معنی جھنڈے کے ہیں۔ وہ بھی کسی ملک' جماعت، عمارت' دفتر' شخصیت یا لشکر کی علامت ہوتا ہے۔ اندھیری رات میں اگر کہیں دیا جل رہا ہو جو وہاں کسی انسان کی موجودگی کا پتہ دے تو اسے بھی علم کہا جائے گا۔ اس لیے ارشاد فرمایا گیا:۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَ فِيْ أَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ۔ (حم السجدة' ۴۱:۵۳)	ہم عنقریب ان کو دنیا میں اور خود ان کی ذات میں اپنی (قدرت و حکمت کی) نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر کھل جائے گا کہ یہ (قرآن) حق ہے۔

مزید ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

أَوَلَمْ يَنظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ۔
(الاعراف، ۷:۱۸۵)

کیا انہوں نے آسانوں اور زمین کی بادشاہت میں اور (علاوہ ان کے) جو کوئی چیز بھی اللہ نے پیدا فرمائی ہے (اس میں) نگاہ نہیں ڈالی۔

ایک اور مقام پر آسمان و زمین کی ساری کائنات کی ذات حق پر شان دلالت کا ذکر یوں کیا گیا ہے:۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَآيَاتٍ لِاُوْلِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَاماً وَّ قُعُوداً وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً۔
(آل عمران، ۳:۱۹۰،۱۹۱)

بے شک آسانوں اور زمین کی تخلیق میں اور شب و روز کی گردش میں عقل سلیم والوں کے لئے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو (سراپا نیاز بن کر) کھڑے اور (سراپا ادب بن کر) بیٹھے اور (ہجر میں تڑپتے ہوئے) اپنی کروٹوں پر (بھی) اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔

جب یہ امر بالکل واضح ہے کہ کائنات ارض و سماء کی ہر شے اور مخلوقات و موجودات کا ہر فرد 'وجود الٰہی، اس کی شان خلاقیت اور صفت ربوبیت کی دلیل و علامت ہے تو اس میں سے کسی بھی حصے کو اس جگہ عالمین کے دائرہ اطلاق سے خارج تصور کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ قرآن مجید خود بھی ایک مقام پر اس معنی کی تصریح ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَ مَا رَبُّ الْعَالَمِيْنَ○ قَالَ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ مُوقِنِيْنَ○ (الشعراء‘ ۲۶:۲۳،۲۴)

فرعون بولا اور پروردگار عالم کی حقیقت کیا ہے؟ (یعنی وہ ہے کیا) فرمایا (وہ) آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اگر تم لوگ یقین کرو۔

یہاں قرآن مجید نے رب العالمین کی وضاحت میں خود ساری کائنات پست و بالا اور اس کے جملہ موجودات کو بیان کر دیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس قرآنی تصریح کے بعد رب العالمین کے مفہوم کو اس مقام پر صرف جن و انس یا بعض دیگر انواع خلق پر محصور و محدود کرنے کی کوئی خاص وجہ نہیں رہ جاتی۔ مذکورہ بالا آیت میں آسمانی اور زمینی کائنات اور اس کے جملہ موجودات کو العالمین میں شمار کر کے فرمایا گیا ہے ان کنتم مؤقنین یعنی اگر تم صاحب ایقان ہو۔ ایقان اس علم صحیح کو کہتے ہیں جو استدلال سے حاصل ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی شان میں موقن نہیں کہا جاتا بلکہ موقن مخلوق ہی ہو سکتی ہے کیونکہ وہ موجودات عالم اور ان کے نظام ہائے گوناگوں سے ان کے خالق و صانع پر استدلال کرتی اور اس کی ہستی پر یقین حاصل کرتی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے فرمایا گیا:۔

وَ كَذٰلِكَ نُرِيْ اِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمَاوَاتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ○ (الانعام‘ ۶:۷۵)

اور اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی تمام بادشاہتیں (یعنی عجائبات خلق) دکھائیں اور (یہ) اس لیے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے۔

یہاں بھی زمین و آسمان کی ساری کائنات اور عوالم ارض و سماء کے تمام موجودات کے مشاہدے کو بنائے ایقان قرار دیا گیا ہے۔ جس سے باری تعالیٰ کی ربوبیت مطلقہ پر دلالت میسر آتی ہے۔ اس لیے رب العالمین میں العالمین کا مفہوم اور دائرہ صرف عالم انسانیت یا

عالم جن و انس تک ہی مختص تصور نہیں کیا جانا چاہیئے' جیسا کہ بعض مترجمین اور مفسرین نے کیا ہے' بلکہ اس مقام پر اس لفظ کی معنوی وسعت میں جملہ عوالم اور ان کے موجودات کو شامل تصور کیا جانا ضروری ہے۔

درست ہے کہ قرآن مجید میں العالمین کا لفظ ہر جگہ اسی معنوی وسعت کے حوالے سے استعمال نہیں ہوا بلکہ مختلف وجوہ پر وارد ہوا ہے۔ مثلاً سورۃ البقرہ اور سورۃ الجاثیہ میں "أَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَى الْعَالَمِیْنَ" اور سورۃ الدخان میں وَلَقَدْ أَخْتَرْنَاهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعَالَمِیْنَ کا اطلاق ایک مخصوص زمانے کی اقوام پر ہے۔ اسی طرح سورۃ آل عمران میں وَاصْطَفَاكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعَالَمِیْنَ کا اطلاق ہے۔ بَارَکْنَا فِیْهَا لِلْعَالَمِیْنَ میں العالمین کا اطلاق جمیع اولاد آدم پر ہے۔ سَلَامٌ عَلٰى نُوْحٍ فِی الْعَالَمِیْنَ میں اطلاق اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) پر ہے۔ وَلٰکِنَّ اللهَ ذُوْفَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِیْنَ میں اطلاق جمیع اہل ایمان پر ہے۔ أَوَلَیْسَ اللهُ بِأَعْلَمِ بِمَا فِیْ صُدُوْرِ الْعَالَمِیْنَ میں اطلاق قوم منافقین پر ہے۔

الغرض ہر جگہ اس لفظ کے دائرہ اطلاق کا اندازہ خود ان آیات کے سیاق و سباق سے ہو جاتا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی لفظ اپنے اصل اطلاق اور انطباق کی وسعت سے ہٹ کر کسی خاص دائرے میں استعمال ہوتا ہے تو اس کے لیے واضح قرینہ موجود ہوتا ہے اور جہاں ایسا خاص قرینہ موجود نہ ہو وہاں اسے اپنے اصل مفہوم کی وسعت پر ہی قائم رکھا جاتا ہے۔ اس آیت میں چونکہ جملہ حمد کے استحقاق کے لئے باری تعالیٰ نے اپنے العالمین کے رب ہونے کو بطور دلیل پیش فرمایا ہے۔ لہذا کائنات کی جو شے بھی رب کریم کے فیضان ربوبیت سے پروان چڑھ رہی ہے وہ بہر صورت العالمین کے دائرہ اطلاق میں داخل ہو گی۔

رَحمۃٌ للعالمین کے لئے العالمین کا استعمال

مذکورہ بالا اصول کا حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے لیے بھی اطلاق ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کی نسبت سے قرآن مجید میں بھی العالمین کا لفظ دو طرح استعمال ہوا

ہے:۔

۱۔**العالمین** بمعنی عالم انس و جان۔

۲۔**العالمین** بمعنی موجودات کائنات۔

پہلا استعمال لِيَكُوْنَ لِلْعَالَمِيْنَ نَذِيْراً۔(الفرقان:۱)" تاکہ وہ دنیا جہان والوں کو (اللہ کی نافرمانی کے عواقب سے) ڈرانے والے ہوں" یہاں عالمین کی معنوی وسعت، حضور ﷺ کی شان نذیریت کے حوالے سے متعین کی جائے گی۔ صاف ظاہر ہے کہ نذیر ہونا صرف اس ذوی العقول مخلوق کے لیے ہی ہو سکتا ہے جو بارگہ ایزدی میں اپنے اعمال پر جوابدہ ہو اور یہ مکلف مخلوق فقط عالم انس و جان کے افراد ہیں۔ اس لیے یہاں عالمین سے مراد تمام انسان اور جنات ہوں گے۔ تمام اقوام عالم بھی اس معنی میں شامل ہیں۔

العالمین کا دوسرا استعمال وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِيْنَ "(اے رسول محتشم) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر" (الانبیاء،۲۱:۱۰۷) کی صورت میں کیا گیا ہے۔ یہاں اس کی معنوی وسعت کا تعین حضور ﷺ کی شان رحمت کے حوالے سے ہوگا۔ یہ امر ثابت ہے کہ حضور ﷺ کے فیضان رحمت سے نہ صرف عالم انس و جان متمتع ہوئے ہیں بلکہ عالم ملائک، عالم ارواح، عالم اجسام، عالم نباتات و جمادات، عالم حیوانات، ذوی العقول، غیر ذوی العقول حتیٰ کہ دنیا و آخرت کے جملہ عوالم میں ہر کسی نے رحمت مصطفوی ﷺ سے اپنے اپنے حسب حال فیض حاصل کیا ہے، کر رہا ہے اور کرے گا۔ اس لیے کہ رحمت صرف بصورت ہدایت ہی نہیں اور بھی کئی صورتوں میں صادر ہوتی ہے جو حضور اکرم ﷺ کے کمالات و معجزات سے تواتر اور صحت کے ساتھ ثابت ہیں۔ اس لیے یہاں **العالمین** کا دائرہ کائنات ارض و سماء کے جملہ موجودات کو محیط ہے۔ لہذا جہاں **العالمین** کی معنوی وسعت باری تعالیٰ کی شان ربوبیت کے حوالے سے متعین ہوگی۔ اس کا دائرہ جملہ عوالم و موجودات کو کیوں محیط نہ ہوگا؟

العالمین کی نا قابل تصور وسعت

یہ پہلو خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ جب انواع خلق کے لحاظ سے ایک عالم پوری کائنات ہے تو پھر عالمین کی وسعت کتنے عالموں اور کائناتوں کو محیط ہو گی۔ حضرت وہبؒ بیان کرتے ہیں۔

إنّ لله ثمانية عشر ألف عالم، الدنيا منها عالم واحد۔
(الدر المنثور، ۱: ۱۳)
(تفسیر أبي السعود، ۱: ۱۴)

اللہ تعالیٰ کے تخلیق کردہ اٹھارہ ہزار (18,000) عالم ہیں اور دنیا ان میں سے ایک ہے۔

حضرت کعب الاحبار فرماتے ہیں:۔

لایحصیٰ عدد العالمین۔

عوالم کی تعداد کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن مجید میں ہے:۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ۔
(المدثر، ۷۴: ۳۱)

اور آپ کے پروردگار کے لشکروں کو بجز اس کے کوئی نہیں جانتا۔

یہاں لشکروں سے مراد مختلف انواع خلق ہیں جو ارض و سماء کی وسعتوں میں جدا جدا عالمین میں موجود ہیں۔ جن کی صحیح تعداد اور حتمی تفصیلات خالق کائنات کے سوا کسی اور کو معلوم نہیں۔ اسی طرح ارشاد فرمایا گیا:۔

وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ○
(النحل، ۱۶: ۸)

اور وہ پیدا فرمائے گا جنہیں تم (آج) نہیں جانتے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سلسلہ ازل سے جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔ بنابریں اس کے تخلیق کردہ عوالم اس قدر ہیں کہ کسی کو ان کا اندازہ بھی نہیں۔ اس امر کی تائید اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے:۔

يَزِيْدُ فِى الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ۔ وہ اپنی تخلیق میں جو چاہتا ہے بڑھاتا جاتا ہے۔ (فاطر ۳۵:۱)

یہ سب مقامات بتاتے ہیں کہ نہ معلوم دن بدن اور لحہ بہ لحہ کتنی کائناتیں اور عوالم منصۂ خلق پر ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ بقول اقبال:۔

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آرہی ہے دما دم صدائے کن فیکون

چنانچہ جن علماء نے مختلف عالموں کی تعداد کا ذکر کیا ہے وہ کسی نہ کسی خاص نسبت اور جہت سے کیا ہے:۔

۱۔ اہل علم پر جوں جوں علوم و فنون منکشف ہوتے رہے ہیں وہ اپنی اپنی بساط اور ذوق و فہم کے مطابق عالمین کی اقسام بیان کرتے رہے ہیں۔ کوئی عالم اجسام اور عالم ارواح کی تقسیم اس طور پر بیان کرتا ہے کہ عالم اجسام میں پھر اجسام علویہ اور اجسام سفلیہ کے عوالم ہیں۔ اجسام علویہ میں شمس و قمر دیگر سیارات' افلاک و کواکب' عرش و کرسی' سدرۃ المنتہیٰ' لوح و قلم اور جنت وغیرہ کے عالم شامل ہیں۔ اجسام سفلیہ میں کرہ ارض' کرہ ہوا اور کرہ نار ہیں۔ یہ سب اہل فلسفہ کے نزدیک اجسام بسیط کے عالم ہیں اور اجسام مرکبہ میں عالم نباتات' عالم معدنیات' عالم حیوانات وغیرہ شامل ہیں۔ اسی طرح عالم ارواح میں بھی علوی اور سفلی کی تقسیم ہے جن میں ملائکہ اور جن و انس کے عوالم آجاتے ہیں۔

۲۔ بعض اہل علم عالم اکبر اور عالم اصغر کی تقسیم کرتے ہیں۔ عالم اکبر سے مراد ساری خارجی کائنات ہے جس کی وسعتیں زمین و آسمان کو محیط ہیں اور عالم اصغر خود وجود انسانی ہے جو عالم اکبر کی جملہ حقیقتوں کا جامع ہے۔ عالم اکبر جن حقائق کی تفصیل ہے عالم اصغر ان سب کا اجمال ہے بایں طور کائنات عالم مفصل ہے اور انسان عالم مجمل ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَ فِی الْاَرْضِ آیَاتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ○ وَ فِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○ (الذاریات، ۵۱: ۲۰، ۲۱)

اور (یوں تو) یقین رکھنے والوں کے لئے زمین میں (بے شمار) نشانیاں ہیں اور (اے لوگو) خود تمہارے نفسوں میں بھی (اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں) پھر کیا تم غور نہیں کرتے۔

اسی طرح:۔

سَنُرِیْهِمْ آیَاتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْ اَنْفُسِهِمْ۔ (حم السجدۃ، ۴۱: ۵۳)

ہم عنقریب ان کو دنیا میں اور خود ان کی ذات میں (اپنی قدرت و حکمت کی) نشانیاں دکھائیں گے۔

اس آیت میں واضح طور پر عالم انفس اور عالم آفاق کا ذکر ہے۔ دونوں میں فرق یہی ہے کہ جو آیات الٰہیہ عالم آفاق میں منتشر ہیں وہ سب عالم انسانی میں مجتمع ہیں اس لیے کہا گیا ہے:۔

من عرف نفسه فقد عرف ربه۔
(الحاوی للفتاوی، ۲: ۴۱۲)
(کشف الخفاء، ۲: ۲۶۲)

جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا پس اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

کیونکہ عالم انفس میں مخفی حقیقتیں سب رب کریم کی ذات و صفات کا پتہ دیتی ہیں۔ بقول اقبال:۔

اگر خواہی خدا را فاش بینی
خودی را فاش تر دیدن بیاموز

۳۔ عالمین کی وسعت کا ایک ادنیٰ سا اندازہ وہ بھی ہے جو آج سائنسی انکشافات کے ذریعے حاصل ہو رہا ہے۔ اس کا تذکرہ رب العالمین کے الفاظ

میں پنہاں ربوبیت الٰہیہ کی بے کراں وسعتوں کو کسی حد تک اجمالاً سمجھنے میں یقیناً
ممد ہو گا۔

فصل ثانی

کائنات ارض وسماء کی سائنسی تحقیق

أرض کا معنی

نظام شمسی میں گردش پذیر جس سیارے میں ہم رہائش رکھتے ہیں' اُرض (Earth'زمین) کہلاتا ہے۔ یہ لفظ عام طور پر آسمان کے مقابل بولا جاتا ہے۔ لغت عرب میں ہر نچلی چیز ارض سے تعبیر کی جاتی ہے۔ امام راغب لکھتے ہیں:۔

الارض یعبربها عن اسفل الشئ کما یعبر بالسمآء عن اعلاہ۔ (المفردات:٧٣)	کبھی ارض کا لفظ بول کر کسی چیز کا نیچے کا حصہ مراد لیتے ہیں جس طرح سماء کا لفظ اوپر والے حصے پر بولا جاتا ہے۔

قرآن مجید نے ہر جگہ أرض کا صغیہ واحد ہی استعمال کیا ہے۔ جمع (ارضون یا ارضین) کا صیغہ استعمال نہیں کیا۔ تاہم کئی زمینوں کا وجود یوں بھی ثابت ہوتا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

اَللهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ۔ (الطلاق،٦٥:١٢)	اللہ وہی ہے جس نے سات آسمان اور انہی کی طرح زمین بھی (اپنی ہی قدرت و حکمت سے) پیدا کی۔

اس آیت کریمہ سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سات یا متعدد ہیں۔

سات آسمانوں کا معنی

السمآء کا لفظ سماء یسمو سے ہے، جس کے معنی بلندی کے ہیں۔ لغت عرب میں ہے:۔

سماء کل شیٔ أعلاہ۔ (المفردات:٤٢٧)	ہر چیز کے اوپر جو کچھ ہے وہ اس چیز کا سماء ہے۔

لہذا کرہ ارض کے اوپر جس قدر کائنات موجود ہے' وہ عالم سماوات ہے' بلکہ خود کرہ ارض کے اندر وہ بالائی طبقہ فضا جہاں بادل اڑتے ہیں اور ٹھنڈک کے باعث آبی قطرات کی صورت میں بارش بن کر برستے ہیں' بھی "سماء" کہلاتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً۔ اور آسمانوں کی طرف سے پانی برسایا۔

(البقرہ، ۲:۲۲)

بنابریں زمین کے اوپر کا طبقہ کائنات عالم طبیعی کی آخری حد تک عالم سماء کہلاتا ہے۔

اسلام اور یونانی فلسفے کے موقف میں فرق

عام طور پر اہل علم نے مختلف زمانوں میں فلسفیانہ تصورات کی بناء پر آسمانوں کی ماہیت اور حقیقت متعین کرنے کی کوشش کی ہے' اسی وجہ سے کسی نے چاند کو پہلے آسمان میں مرکوز' سورج کو چوتھے آسمان میں اور دیگر سیارگان فلکی کو دوسرے آسمانوں میں مرکوز قرار دیا۔ کسی نے اس سے مختلف ترتیب بیان کی۔ عوام الناس نے بعض علماء کی ان تحریروں سے یہ اخذ کیا کہ شاید یہی اسلام کا موقف ہے اور یہی کچھ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ یہ تاثر کلیتًا غلط ہے۔ قرآن و حدیث کی کوئی ایک نص بھی اس تصور کی تائید نہیں کرتی۔ یہ موقف دراصل قدیم علماء ہیت کا تھا' جو یونانی فلسفے پر مبنی تھا۔ دینی کتابوں میں اس کے بیان ہو جانے کی وجہ سے اسے غلط طور پر دینی تعلیمات کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ جب تسخیر ماہتاب کا واقعہ پیش آیا تو بعض لوگوں نے کم فہمی کی بناء پر اسے دینی تصورات کے منافی سمجھا۔ حالانکہ اس واقعے کا امکان دینی تصورات اور اسلام کے بیان کردہ حقائق کے عین مطابق تھا۔ اس میں عقلاً و نقلاً کسی قسم کی مخالفت نہ تھی کیونکہ سورج' چاند اور دیگر سیارے کرۂ ارض کے اوپر کروڑوں' اربوں میلوں پر محیط

بالائی طبقے میں گردش کرتے ہیں۔ یہ تمام سماوی طبقات اپنے اپنے "افلاک" (Orbits) میں محوِ گردش ہیں۔ جو زمین اور آسمان کے درمیان واقع ہیں۔ ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے حسان بن عطیہ سے روایت کیا ہے:۔

الشمس و القمر و النجوم مسخرةٌ فی فلك بين السماء و الارض۔ (الدر المنثور، ۴: ۳۱۸)	شمس و قمر اور تمام سیارگان، آسمان اور زمین کے درمیان اپنے فلک یعنی مدار (Orbit) میں گردش کر رہے ہیں۔

یہ ارشاد اس قرآنی آیت کی تعبیر میں وارد ہوا ہے:۔

كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ۝ (الانبیاء، ۲۱: ۳۳)	تمام (آسمانی کرے) اپنے اپنے مدار کے اندر تیزی سے تیرتے چلے جاتے ہیں۔

امام ابن جریرؒ اور امام ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن زیدؓ سے روایت کیا ہے:۔

الفلك الذی بين السماء و الأرض من مجاری النجوم و الشمس و القمر۔ (تفسیر الدر المنثور، ۴: ۳۱۸)	"فلك" سے مراد آسمان اور زمین کے درمیان واقع مدار ہیں، جن میں تمام ستارے، سورج اور چاند (سمیت تمام اجرام فلکی) گردش کرتے ہیں۔

اس امر کی وضاحت اس قول سے بھی ہوتی ہے:۔

الفلك موج مكفوف تجری فيه الشمس و القمر و النجوم۔ (تفسیر کبیر، ۲۲: ۱۶۷)	"فلك" آسمانوں کے نیچے خلا کا نام ہے جس میں سورج، چاند اور ستارے گردش کرتے ہیں۔

امام رازیؒ نے مزید بیان کیا ہے کہ فلک ستاروں کے مدار یعنی ان کی گردش کے راستوں کو کہتے ہیں:۔

وھو فی کلام العرب کل شئی مستدیر وجمعہ أفلاك۔

لغت عرب میں ہر گول شے کو فلک کہتے ہیں اس کی جمع افلاک ہے۔

(تفسیر کبیر، ۲۲:۱۶۷)

امام ابوالبرکات نسفیؒ نے یہاں تک صراحت بیان فرمائی ہے:۔

و الجمھور علی أن الفلك موج مکفوف تحت السماء تجری فیہ الشمس و القمر و النجوم .... یسیرون ای یدورون۔

جمہور علماء کا مذہب یہی ہے کہ فلک آسمانوں کے نیچے خلا کا نام ہے جس میں سورج، چاند اور دیگر سیارے مستدیراً گردش کرتے ہیں۔

(تفسیر المدارک، ۳:۷۸)

اس لحاظ سے جتنے سیارے بھی خلا میں گردش کرتے ہیں، ہر ایک کا مدار اس کا فلک کہلاتا ہے۔

ابتداء علم ہیئت (ASTROMONY) کے ماہرین کا خیال تھا کہ سیاروں کی کل تعداد 7 ہے اور ان میں ہر سیارہ جس مدار میں موجود ہے وہی اس کا فلک ہے۔ بنا بریں عالم بالا کل سات افلاک میں منقسم ہے، پہلے میں چاند ہے، دوسرے میں عطارد، تیسرے میں زہرہ، چوتھے میں شمس، پانچویں میں مریخ، چھٹے میں مشتری اور ساتویں میں زحل، جیسا کہ امام رازیؒ نے دور قدیم کے علماء ہیئت کا یہ قول نقل کیا ہے۔ (تفسیر کبیر، ۲۶:۷۷)

•بعض مسلمان اہل علم کی فکری لغزش

ہمارے خیال میں جب یہی نقطہ نظر بعض علماء اسلام نے اپنی کتابوں میں درج کیا تو اسی سے یہ تصور پیدا ہو گیا کہ سات آسمانوں میں سے ہر آسمان میں ایک سیارہ ہے اور وہ آسمان اسی سیارے کے نام سے موسوم ہے۔ یہ ایسا مغالطہ تھا جو سات افلاک کے تصور اور سات آسمانوں کے تصور کے درمیان التباس (CONFUSION) کے باعث پیدا ہوا۔

پھر بقول شیخ طنطاوی جوہری جب فلسفہ یونانی پر فارابی اور ابن سینا کی تصانیف عربی زبان میں منظر عام پر آئیں تو 9 افلاک کا تصور قبولیت پا گیا۔ چنانچہ اس کی توجیہہ بعض علماء اور فلاسفہ نے یوں کی کہ ان سے مراد سات آسمان 'کرسی اور عرش ہے۔ کرسی' فلک الثوابت ہے اور عرش' فلک محیط۔ یہ تعبیرات اس وجہ سے اسلامی لٹریچر میں شامل ہو گئیں کہ مختلف ادوار میں جب کوئی نئی فلسفیانہ یا سائنسی تحقیق منظر عام پر آئی بعض اہل علم نے اسے قرآنی آیات پر یا قرآنی آیات کو اس پر منطبق کرنے کی کوشش کی۔ حالانکہ وہ تحقیق فی نفسہا حتمی اور قطعی نہ تھی۔ عقلاء' فلاسفہ اور سائنسدان تجربات اور مشاہدات کی بنا پر اقدام وخطاء (TRIAL & ERROR) کے انداز میں اپنی نئی سے نئی تحقیقات پیش کر رہے تھے۔ ان تحقیقات کو اسلامی تصورات بنانے کی کوشش نے ایسے کئی موضوعات میں علمی مغالطے پیدا کر دیئے جواب تک بعض اہل علم کے ہاں منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان بے بنیاد اور غلط تصورات کی کوئی سند قرآن و حدیث میں نہیں ملتی۔ جوں جوں انسانی عقل اپنے سائنسی تجربات و مشاہدات کی بناء پر ترقی کر رہی ہے۔ عالم بالا کے ہزاروں نئے طبقات منصۂ علم پر آرہے ہیں۔

نظام شمسی اور عالم افلاک

پہلے جن سیاروں کی کل تعداد 9 بیان کی گئی تھی موجودہ سائنس نے یہ حقیقت منکشف کر دی ہے کہ یہ 9 سیارے (Planets) تو صرف نظام شمسی (SOLAR SYSTEM) میں موجود ہیں جن کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ عطارد	(Mercury)	۲۔ زہرہ	(Vencus)
۳۔ زمین	(Earth)	۴۔ مریخ	(Mars)
۵۔ مشتری	(Jupiter)	۶۔ زحل	(Saturn)
۷۔ یورنیس	(Uranus)	۸۔ نیپچون	(Neptune)
۹۔ پلوٹو	(Pluto)		

ہماری زمین کے گرد واقع چاند کی طرح ان 9 سیاروں کے گرد کل 61 چاند موجود ہیں ان کے علاوہ تقریباً 45,000 سے زائد Astroids بھی اس نظام شمسی میں موجود ہیں۔ مزید بر آں کئی ایسے مزید سیارے تصور کیے جاتے ہیں جو اسی نظام میں ہیں لیکن ابھی تک ظاہر نہیں ہوئے۔ یہ سب وہ سیارے ہیں جو سورج کے گرد اپنے اپنے مدار میں محو حرکت ہیں پھر خود مذکورہ بالا بڑے سیاروں (PLANETS) کے گرد گردش کرنے والے کئی سیارے ہیں جنہیں Satellites کہا جاتا ہے۔ ہمارا چاند (Moon) ان میں سے سب سے بڑا ہے اور زمین کے گرد محو گردش ہے، جس کا ذکر قرآن مجید ان میں الفاظ میں کرتا ہے:۔

وَ جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا۔ (نوح،۷۱:۱۶)

اور ان میں (تمہارے لئے) چاند کو چمکنے والا بنایا۔

کچھ اجرام فلکی ہیں جنہیں COMETS کہا جاتا ہے یہ نام غالباً قرآن حکیم کی اصطلاح الجوار الکنس سے اخذ کیا گیا ہے، جس کا ذکر سیاروں ہی کے ضمن میں یوں آیا ہے:۔

فَلَا اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ٥ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ٥ (التکویر، ۸۱:۱۵،۱۶)

پھر میں قسم کھاتا ہوں چلتے چلتے (پیچھے) پلٹ جانے والے تاروں کی (اور قسم کھاتا ہوں) سیدھے چلنے والے (اور) رک کے رہنے والے تاروں کی۔

Comets بھی سورج کے گرد گھومتے ہیں اور مختلف مدتوں میں اپنا مدار مکمل کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک HALLEY'S COMET سے نام سے معروف ہے۔ جو سورج کے گرد اپنا مدار مکمل کرنے میں اوسطاً 77 برس لگاتا ہے، گویا 77 برس میں ایک بار نظر آتا ہے، بقیہ عرصہ چھپا رہتا ہے۔ آخری بار HALLAY'S COMETS

80,156 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے 9 فروری 1986ء کو سورج کے قریب سے گزرا European Space Agency (ESA) کے خلائی جہاز Giotto نے اس کے انتہائی قریب جاکر اس کی تصاویر اتاریں اور اہل زمین کیلئے زمینی سٹیشن کو ارسال کیں۔ یہ COMET اب دوبارہ انشاءاللہ سورج کے قریب 29 اپریل 2061ء کو گزرے گا۔ **الکنس** میں چھپنے کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے صاحب المحیط" لکھتے ہیں:۔

الکنس ھی الخنس لانھا تکنس فی المغیب۔
(القاموس المحیط'۲:۲۵٦)

"الکنس" کا معنی چھپنا اور گم جانا ہے۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ (Comet) کسی نادیدہ مقام کی وسعتوں میں کھو جاتا ہے۔

مزید برآں کچھ چھوٹے چھوٹے اجرام فلکی اور بھی ہیں جو METEORS کہلاتے ہیں۔ وہ بھی سورج کے گرد چکر لگاتے رہتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ زمین کی بالائی فضا میں داخل ہوتے ہیں مگر حرارت کی شدت کے باعث جل کر راکھ ہو جاتے ہیں۔ ان کے ٹوٹنے سے جو منتشر چمکتے ہوئے ذرات شعلوں اور چنگاریوں کی صورت میں گرتے ہیں انہیں SHOOTING STARS کہتے ہیں۔ انہی کا ذکر قرآن مجید میں یوں آیا ہے:۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَٰهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ۔
(الملک'٦٧:٥)

اور بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے مزین کیا ہے اور ان کو شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بھی بنایا ہے۔

اندازہ یہ ہے کہ تقریباً دس کروڑ METEORS روزانہ زمین کی بالائی فضا میں داخل ہوتے ہیں۔

کہکشاں کی وسعت

کروڑوں کی تعداد میں پائے جانے والے یہ سب چھوٹے بڑے اجرام صرف نظام شمسی کا حصہ ہیں اور سورج عالم افلاک کے کروڑوں ستاروں میں سے ایک اوسط درجے کا ستارہ (STAR) ہے۔ جس کا Diameter (قطر) 1,400,000 کلو میٹر ہے۔ سورج ہماری زمین سے 149,600,000 کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار تین سو میل فی سیکنڈ کے حساب سے سفر کرتی ہے۔ اس کے باوجود روشنی کی ایک کرن جو سورج سے نکلتی ہے 'زمین تک پہنچنے میں آٹھ منٹ لگادیتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا کہ جس طرح زمین 'نظام شمسی کے بے شمار سیاروں میں سے ایک ہے۔ اسی طرح سورج 15,000,000,000 ستاروں پر مشتمل کہکشاں (Milky Wany) میں سے ایک ہے۔ جب کہ اس کہکشاں کی وسعت اور مسافت کا اندازہ اس امر سے لگائیے کہ اسی کہکشاں میں سورج کے بعد ہم سے قریب ترین ستارے Proxima Centauri کی روشنی اسی رفتار سے چل کر چار سال سے زائد عرصہ میں ہم تک پہنچتی ہے۔ جو روشنی صرف ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار تین سو میل طے کرتی ہے، وہ ایک سال میں کتنے ارب میل کی مسافت طے کرتی ہوگی! اور پھر چار سال کے عرصے میں طے ہونے والی مسافت کا عالم کیا ہوگا! اسی طرح ہماری کہکشاں کا ایک ستارہ ALTAIR جس کی روشنی زمین تک 1600 سال میں پہنچتی ہے۔ "DENEB" نامی ستارے کی روشنی زمین تک 1500 سال میں پہنچتی ہے۔ یہاں تک کہ کچھ ستارے ایسے ہیں جن کی روشنی زمین تک کئی ہزار سال بعد پہنچتی ہے۔ بلکہ اس وقت تک کی تحقیقات کے مطابق اس کائنات میں ایسے ستارے بھی موجود ہیں جن کی روشنی کے زمین تک پہنچنے کا کل عرصہ پچاس ارب سال بنتا ہے۔ صرف ہماری کہکشاں کی لمبائی اس قدر ہے کہ اس کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک روشنی ایک لاکھ سال کے عرصے میں پہنچتی ہے اور اسکی موٹائی کے رخ کا فاصلہ دس ہزار سال کے

عرصے میں طے کرتی ہے۔ یہ وسعت تو صرف اس کہکشاں Milky Wany کی ہے جس میں ہماری زمین واقع ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جیسی کئی کروڑ کہکشائیں (GALAXIES) عالم افلاک میں موجود ہیں۔ امریکہ کی National Optical Astronomy Observations کی تحقیق کے مطابق تقریباً 400 کہکشائیں (Galaxies) تو آپس میں ہی منسلک نظر آتی ہیں۔ باقی کہکشاؤں کے سلسلوں کا کیا حال ہے اور یہ سارا عالم افلاک جس کی کل وسعت اور مسافت کا اندازہ انسان اپنی تصوراتی قوت سے بھی نہیں کر سکتا' پہلے آسمان یعنی سماء الدنیا سے نیچے واقع ہے۔ لہذا یہ سب صرف پہلے آسمان کے نیچے وسعتوں کا عالم ہے، خدا جانے اس سے اوپر کی وسعتوں کا کیا حال ہے۔ اسی طرح دوسرے' تیسرے' چوتھے اور بالآخر ساتویں آسمان تک کی کائنات کس قدر وسیع ہے۔ اس کے بعد عرش اور مافوق العرش کی وسعتوں کا عالم کیا ہوگا!

یہ ساری تفصیل اس لئے عرض کی گئی تا کہ اس کی روشنی میں اتنی بات سمجھی جا سکے کہ مختلف سیاروں' ستاروں' کہکشاؤں اور نظام ہائے نجوم کی آئے دن دریافت ہونے والی نئی سے نئی تقسیمات اور تحقیقات کو سات آسمانوں کی حقیقت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ سائنس ابھی تک آسمان دنیا کی کہکشاؤں اور ستاروں کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ وہ تو صرف اس معلوم عالم افلاک کی جملہ حقیقتوں کا احاطہ بھی نہیں کر سکی جب کہ سبع سماوات کی حقیقت اس سے کہیں بلند ہے۔ ممکن ہے آئندہ زمانوں کی سائنسی تحقیق اس عالم بالا کے وجود کا کوئی نشان پا سکے۔ اس کی حقیقت و ماہیت اور اس کی تقسیم کا جو کہ سات طبقات پر مشتمل ہے کوئی مزید سراغ پا سکے۔ کیونکہ انسان کا آسمانوں تک پہنچنا اور ان کی حقیقت کی خبر پانا شریعت کی رو سے نہ تو نا ممکن ہے اور نہ ہی اس میں کوئی امر مانع ہے۔ یہاں تک کہ اصول فقہ کی بعض کتابوں میں یہ تصریح ملتی ہے کہ اگر کوئی شخص آسمان پر جانے کی قسم کھا لے تو اس کی قسم منعقد ہو جائے گی کیونکہ آسمان پر جانا ممکنات میں سے ہے۔ اس سے اس بات کی طرف بھی رہنمائی ملتی ہے کہ اسلامی تحقیقات پر مشتمل سینکڑوں ہزاروں سال پرانے لٹریچر میں بھی

آسمان کی وسعتوں میں سفر کو ممکن سمجھا جاتا تھا۔

مذکورہ بالا ساری تفصیل فقط عالم طبیعی سے متعلق ہے جبکہ مابعد الطبیعی عالم کا تو سائنس ادراک بھی نہیں کر سکتی۔ قرآن مجید میں عالم طبیعی کی تقسیم ان تین حصوں میں کی گئی ہے:۔

۱۔ آسمانی کائنات (HEAVENS)

۲۔ زمینی کائنات (EARTH)

۳۔ فضائی کائنات (SPACE)

ارشاد ربانی ہے:۔

اَلَّذِیْ خلَقَ السَّمَاوَاتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ۔ (الفرقان‘ ۵۹:۲۵)	(وہی ہے) جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں میں ہے چھ دن میں پیدا کیا۔ پھر (اپنے) عرش (قدرت و حکمت) پر قائم ہوا۔

اس وقت سائنس اپنی تحقیق کے فضائی دور (Age of space) میں داخل ہو چکی ہے تاہم اس کی تمام تر وسعتوں کا مکمل اندازہ تا حال سائنس نہیں لگا سکی۔ قرآن مجید کے الفاظ وَمَا بَیْنَهُمَا آسمان اور زمین کی درمیانی کائنات یعنی Space اور Intermediary creation کی واضح نشاندہی کر رہے ہیں۔ انسانی علم تو ابھی تک فقط عالم طبیعی کے تیسرے حصے Space کی وسعتوں کے اندازے میں گم ہے‘ جبکہ آسمانی کائنات اس سے کہیں زیادہ وسیع و عریض ہے۔ پھر اس کے اختتام پر مابعدالطبیعی عالم یعنی کائنات عرش اور مافوق العرش کا آغاز ہوتا ہے۔ جہاں باری تعالی کا مقام استوار ہے اور یہ سب کچھ العالمین کا مصداق ہے۔ اس عالم طبیعی کی تخلیق کے چھ دن میں کیے جانے کا مفہوم معروف معنوں میں ہر گز چھ دن نہیں کیونکہ اس وقت تو سورج اور رات دن کی تخلیق بھی عمل میں نہیں آئی تھی اور معروف دنوں کی تقسیم کا سلسلہ سورج کی تخلیق کے بعد ہی

شروع ہوا۔لہذا 6 دنوں سے مراد تخلیق کے 6 ادوار ہیں جن میں کائناتی تخلیق کا نظام ارتقائی مرحلے طے کر کے یہاں تک پہنچا ہے۔

فصل ثالث

انسانی زندگی میں فساد کے اسباب

انسانی زندگی جس قدر اعتقادی و نظریاتی فسادات کا شکار ہو سکتی ہے رب العالمین میں ان سب کا علاج مضمر ہے۔ انسانی زندگی میں فساد کی جتنی صورتیں بھی نظر آتی ہیں اگر ان کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ مندرجہ ذیل اسباب میں سے کسی نہ کسی ایک پر ضرور مبنی ہوتی ہیں:۔

ا۔ وجود باری تعالیٰ کا انکار

انسانی زندگی میں فساد کے اسباب میں سے سب سے اہم صورت یہ ہے کہ بندہ حق بندگی بجالانے کی بجائے سرے سے اس کائنات اور اس کے نظام کو بغیر کسی خالق و مالک کے ماننے لگ جائے اور اسے نقطۂ زندگی کے اتفاقی آغاز کا مظہر قرار دیتا پھرے۔

۲۔ خود کو خالق کائنات سے بے نیاز و مستغنی سمجھنا

دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو محض خالق تسلیم کرنے کے بعد اس کائناتی زندگی کے بقاء و فروغ کے نظام میں اس کے عمل دخل اور تصرف کی بناء پر انکار کیا جائے کہ اب یہ عالم فقط اسباب و علل (Causes & effects) کے نظام کے تحت آزادانہ طور پر قائم ہے اور اسی صورت میں چل رہا ہے۔ اس میں کسی مستقل بالذات 'واجب الوجود' قادر مطلق اور مؤثر حقیقی طاقت کا کوئی ارادہ 'تدبیر اور تصرف کارفرما نہیں ہے۔ گویا معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ ہمیں تخلیق کرنے کے بعد ہمارے معاملات سے بے دخل اور لاتعلق ہو گیا ہے اور ہمیں اس کی ہرگز حاجت نہیں۔ چنانچہ اس تصور سے انسان خود کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی سے آزاد سمجھنے لگتا ہے۔

۳۔ باری تعالیٰ کی ذات و صفات یا افعال میں شرک

اللہ تعالیٰ کی شان خلاقیت و ملوکیت پر اعتقاد رکھنے کے ساتھ ساتھ یہ خیال رکھا جائے کہ اس کی ذات 'صفات یا افعال میں کچھ اور افراد یا اشیاء شریک ہیں۔ اس بنا پر وہ بھی مستحق عبادت و بندگی ہیں اور ان کا حکم و تصرف بھی خالق و مالک ہی کی طرح کائنات

میں موجود اور موثر ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کو محض کسی ایک آدھ صفت کا مظہر قرار دینا

یہ خیال رکھنا کہ باریٔ تعالیٰ فقط قہر و غضب اور عذاب و عقاب کی صفات سے مختص ہے۔ اس سے انسانی ذہن اور اعتقاد مایوسی و محرومی کا آئینہ دار ہو جاتا ہے۔ یا یہ خیال رکھنا کہ وہ فقط بخشش و مغفرت اور رحمت و محبت کی صفات سے مختص ہے۔ اس سے انسانی زندگی' احکام و اوامر کی گرفت سے آزادی کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ الغرض اسی قسم کے محدود اور یک جہتی تصورات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا بھی انسانی زندگی میں کئی فسادات کا موجب ہوتا ہے۔

۵۔ وجود و ضرورتِ رسالت کا انکار

اللہ رب العزت کے وجود اور وحدانیت کا اقرار کرنے کے باوجود نبوت و رسالت کی ضرورت اور کائنات میں اس کے وجود کا انکار کیا جائے اور زندگی کے لیے نبوت و رسالت کے ذریعہ حاصل ہونے والی ہدایت ربانی کو ناگزیر اور نتیجہ خیز تصور نہ کیا جائے۔

۶۔ بعض انبیاء و رسل کا انکار

نظام رسالت کو اصولی طور پر مان کر بعض انبیاء و رسل کو بوجوہ تسلیم نہ کرنا جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے حضور نبی کریم ﷺ کی رسالت کا انکار کر دیا۔

۷۔ آخرت کا انکار

انعقاد قیامت اور نظام جزا و سزا کا انکار کیا جائے۔ جس میں برزخی اور اخروی زندگی کے ساتھ ساتھ حیات بعد الموت کا انکار بھی شامل ہے۔ اس کی جگہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ یہی زندگی ہی سب کچھ ہے اور اس کے بعد کوئی زندگی نہیں جس میں یہاں کے معاملات کا حساب و کتاب ہو سکے۔

۸۔ ربوبیت ورحمت الہیہ کی تحدید

اس سے مراد نسلی 'لسانی' علاقائی اور طبقاتی فوقیت و برتری اور تفاضل و تفاخر کے وہ سارے تصورات ہیں جو انسانی مساوات اور شرف و تکریم آدمیت کے فطری اور آفاقی اصولوں کی نفی کرتے ہیں۔ یہ فساد فکر اس اعتقاد سے جنم لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور رحمت و عنایت فقط ہمارے ساتھ خاص ہے اور دوسرے اس فیض سے محروم ہیں۔

کم و بیش فکر و نظر کے یہی بنیادی فسادات ہیں جو انسانی زندگی میں کبھی فرعونیت' کبھی قارونیت' اور کبھی یزیدیت کا روپ دھارتے ہیں۔ کبھی ذلت و پستی اور غلامی و رسوائی کی تباہ کن شکلوں میں نمودار ہوتے ہیں اور کبھی زندگی کو اعتدال و توازن کی حسین شاہراہ سے ہٹا کر غیر حقیقت پسندانہ ڈگر پر ڈال دیتے ہیں۔ اس کے لیے مذکورہ بالا اسباب ہی جملہ فسادات حیات کا سرچشمہ ہیں۔

رب العالمین............ جملہ فسادات کا علاج

ان الفاظ نے نہ صرف مذکورہ بالا تمام اعتقادی فسادات کی بیخ کنی کی ہے بلکہ دیگر انسانی مغالطوں کی بھی اصلاح کر دی ہے۔ یہ دو الفاظ پر مشتمل قرآنی اعلان' انسانی فکر و اعتقاد کے علاج اور اصلاح کے لیے مندرجہ ذیل اشارات و تعلیمات پر مبنی پورا ضابطہ عطا کر رہا ہے:۔

ا۔ رب العالمین سے اس کائنات کے خالق و مالک کے وجود کا واضح ثبوت مل رہا ہے۔ کائنات موجود ہے تو اسکا موجد بھی ہونا چاہیے کیونکہ موجود بغیر موجد کے نہیں ہو سکتا۔ پرورش اور تربیت بغیر مربی کے ممکن نہیں اور نظام بغیر منتظم کے نہیں چل سکتا۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ کائنات کے ہر وجود بلکہ خود

تمام کائناتوں کی جملہ ضرورتوں کی کفالت ہو رہی ہو مگر کفیل کوئی نہ ہو۔ زندگی مسلسل ظہور میں آرہی ہو مگر زندگی دینے والا کوئی نہ ہو۔اس قدر وسیع سلسلہ ہائے کائنات اور لاتعداد مظاہر حیات کا وجود میں آنا' بقاء و فروغ کے مراحل طے کرنا اور ایک حسین نظم و نسق کے سلسلے کا قائم رہنا زبان حال سے پکار کر کہہ رہا ہے کہ ....کوئی ہے...........اسی کا صفاتی نام رب العالمین ہے۔

۲۔ رب العالمین سے پتہ چل رہا ہے کہ رب ایک ہے کیونکہ رب کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ العالمین میں شامل ہے' جو لفظ کا مضاف الیہ اور ذات رب کا مربوب ہے۔ جب ایک رب ہے اور باقی عالم تو اشتراک کا امکان کیونکر ممکن ہے۔ مضاف الیہ کو مضاف کیسے سمجھا جائے مربوب کو مربی کیسے کہا جائے۔زیر پرورش کو پرورش کرنے والا کیسے بنایا جائے۔ مخلق و خالق' محتاج کو مستغنی، ممکن کو واجب اور زیر کفالت کو کفیل کیسے سمجھ لیا جائے۔امر واقعہ ہے کہ شرک کا گمان ہی عقل کے نقصان یا فقدان پر دلالت کرتا ہے۔

العالمین کے سارے نظام جس نسق 'ہم آہنگی اور حسن ترتیب سے چل رہے ہیں' ان میں کوئی خلل ہے نہ ٹکراؤ' تضاد ہے نہ تصادم' یہ اس حقیقت کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ ان کے پیچھے ایک موثر حقیقی کا ہاتھ ہے جو بلا شرکت غیرے 'بغیر کسی مخالفت و مزاحمت کے اپنے ارادہ و قدرت کو ہر جگہ ظاہر فرما رہے۔

نظم کائنات سے بھی رنگ وحدت ٹپک رہا ہے۔ قرآن یہی اعلان ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ (الانبیاء‘۲۱:۲۲)

اگر ان دونوں (زمین و آسمان) میں اللہ کے سوا اور (بھی) معبود ہوتے تو یہ دونوں تباہ ہو جاتے۔

۳۔ رب العالمین سے واضح ہو رہا ہے کہ العالمین کا کوئی وجود باری تعالیٰ سے بے نیاز و مستغنی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ربوبیت جو درجہ بدرجہ پرورش کرنے اور کمال تک پہنچانے سے عبارت‘ ہے ایک ایسا نظام ہے جو ہمہ وقت ازابتداء تاانتہا قائم رہتا ہے۔ اس کے تسلسل اور دوام سے وجود کا کوئی مرحلہ خالی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے جو خود کو کسی بھی لحاظ سے رب کا محتاج تصور نہیں کرتا اور خود کو اس سے بے نیاز قرار دیتا ہے۔ وہ خود کو العالمین سے خارج قرار دے رہا ہے اور یہ ممکن نہیں‘ العالمین سے کوئی شے بھی خارج نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کے سوا تو فقط رب کی ذات ہے اس لیے خود کو العالمین سے خارج تصور کرنا‘ اپنے آپ کو رب کہنے کے سوا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

اگر کاروبارِ حیات کے دوران انسان کا دھیان اسباب و علل کے نظام پر ہی ہو تو معلوم ہونا چاہیے کہ نظامِ اسباب و علل بھی ایک عالم ہے جو رب العالمین کے وجود کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس لیے کہ اسباب ہمیشہ مسبّب کا پتہ دیتے ہیں اور نظامِ علل میں یہ ممکن نہیں کہ کوئی سب سے پہلی علت نہ ہو۔ وہ سب سے پہلی علت جس سے سب علل وجود میں آئی ہیں، علتِ اولیٰ کہلاتی ہے۔ اولیٰ وہی ارادۂ رب العالمین ہے جو امر کن فیکون کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے‘ وہی علۃ العلل (Cause of the causes) ہے اور وہی غایۃ العلل (Ultimate cause) ہے۔ اس لئے یہ سمجھنا غلط ہے کہ نظامِ اسباب و علل کے باعث ہم اللہ تعالیٰ سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔ بے نیاز فقط رب ہے، عالمین

سارے محتاج ہیں اور اسباب و علل کا نظام بھی اسی کا تخلیق کردہ اور اسی سے قائم ہے۔

۴۔ رب العالمین محض ایک آدھ صفت سے خاص نہیں ہو سکتا بلکہ وہ ہمہ صفتی رب ہے۔ اس کی ربوبیت کل کائنات کے لیے ہے' جو ہر شے کی' ہر ضرورت کی کفالت کی ذمہ دار ہے۔ چونکہ موجوداتِ عالم کی ضرورتیں بے شمار ہیں اس لیے رب العالمین کی صفات بھی بے شمار ہیں' جن سے وہ ہر زیر پرورش وجود کی ہر ضرورت کی تکمیل فرماتا ہے۔ بیمار کو صحت کی طلب ہے' جاہل کو علم کی' بھوکے کو کھانے کی طلب ہے' پیاسے کو پانی کی' دھوپ کو سائے کی طلب ہے' اندھیرے کو اجالے کی' اطاعت گزار کو ثواب کی طلب ہے' سرکش و باغی کو عتاب و عذاب کی' گنہگار کو مغفرت کی طلب ہے' اور ظالم کو سزا کی۔ الغرض ہر شے کی طلب اور ضرورت اس کے حسب حال مختلف ہے اور رب العالمین وہی ہو سکتا ہے جو ہر شے کی طلب و ضرورت ایجابی ہو یا سلبی' مثبت ہو یا منفی بصورت جزا ہو یا سزا' پوری کر سکے۔ یہی ذات حق کی شان ہے جو کسی اور کو زیبا نہیں۔ وہ صفات میں جامع' قدرت میں کامل اور فعل میں قادر و مختار ہے۔

۵۔ رب العالمین اس امر کا واضح اعلان ہے کہ باری تعالیٰ تمام مخلوقات کی جملہ ضروریات کی کفالت فرماتا ہے۔ مخلوقات عالم میں سے اہم ترین مخلوق انسان ہے۔ اور انسان کی جملہ ضروریات میں سے اہم ترین ضرورت ہدایت اور زندگی کا لائحہ عمل ہے' جس کی تکمیل شریعت اور وحی ربانی کے بغیر ممکن نہیں۔ لہذا باری تعالیٰ کا رب العالمین ہونا خود اس امر کا متقاضی ہے کہ بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیے انبیاء و رسل علیہم السلام کو مبعوث کیا جاتا اور ان کے ذریعے اللہ

رب العزت کی وحی اور ہدایت پر مبنی شریعت اور نظام حیات عطا کیا جاتا، جس کے تحت افراد بنی آدم کی اخلاقی و روحانی تربیت اور فکری و اعتقادی پرورش ہوتی۔ سو اس ضرورت کو اس نے نظام نبوت و رسالت کے ذریعے پورا فرما دیا ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا گیا:

وَمَا قَدَرُوْا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ إِذْ قَالُوْا مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ قُلْ مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا وَ عُلِّمْتُمْ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا أَنْتُمْ وَ لَا آبَاؤُكُمْ۔

(الانعام ۶: ۹۱)

اور انہوں نے (یعنی یہود نے) اللہ کی وہ قدر نہ جانی جیسی قدر جاننا چاہئے تھی جب انہوں نے یہ کہہ (کر رسالت محمدی کا انکار کر) دیا کہ اللہ نے کسی آدمی پر کوئی چیز نہیں اتاری۔ آپ فرما دیجئے وہ کتاب کس نے اتاری تھی جو موسیٰ لے کر آئے تھے، جو لوگوں کے لئے روشنی اور ہدایت تھی؟ تم نے جس کے الگ الگ کاغذ بنا لئے تھے، تم اسے (لوگوں پر) ظاہر (بھی) کرتے ہو اور (اس میں سے) بہت کچھ چھپاتے (بھی) ہو اور تمہیں وہ (کچھ) سکھایا گیا ہے جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔

انسانی تربیت و پرورش کے لیے نظام رسالت کا وجود اور ہدایت ربانی کی نتیجہ خیزی رب العالمین کا ایسا مفہوم ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو تسلیم کرنے کا حق بھی ادا نہیں ہو سکتا۔

۶۔ رب العالمین کے اعلان میں ربوبیت الٰہیہ کا آفاقی ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ پوری کائنات انسانی کی ہدایت کے لیے ہر طبقے اور ہر قوم کی طرف انبیاء ورسل مبعوث کیے گئے تاکہ انسانی اعتقاد و عمل کی صحیح نشوونما اور اصلاح ہو سکے۔ روحانی تربیت و پرورش کی اس نعمت سے کسی طبقے کو محروم نہیں رکھا گیا' اس لیے ارشاد فرمایا گیا:۔

اِنْ مِنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ○ (فاطر' ۳۵:۲۴)	کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی نصیحت کرنے والا (پیغمبر) نہ گزرا ہو۔

جب ربوبیت الٰہیہ نے اپنے فیضان ہدایت کے لیے کسی طبقہ و قوم کو مستثنیٰ نہیں کیا تو افرادِ انسانی کو یہ حق کس طرح پہنچتا ہے کہ وہ بعض پیغمبروں پر ایمان لائیں اور بعض کا انکار کر دیں۔ یہ امتیازی سلوک، خود فی الواقع ربوبیت الٰہیہ کی آفاقیت کا انکار ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے یہ تعلیم دی:۔

لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ○ (البقرہ' ۲:۱۳۶)	ہم ان میں سے کسی ایک (پر بھی ایمان) میں فرق نہیں کرتے' اور ہم (معبود واحد) کے فرماں بردار ہیں۔

اس مقام پر تمام انبیاء کرام پر ایمان لانا اور اللہ کے حضور گردن جھکانا دونوں کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے کیونکہ باری تعالیٰ پر ایمان لانے کا تقاضا یہی ہے کہ اس کے بھیجے ہوئے تمام پیغمبروں کو مانا جائے اور ایمان میں سے کسی سے امتیاز نہ برتا جائے۔

سورہ بقرہ میں اس مضمون کا آغاز کچھ اس طرح سے ہو رہا ہے:۔

إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ۝ (البقرۃ'۲:۱۳۱)

اور جب ان کے رب نے ان سے فرمایا (میرے سامنے) گردن جھکا دو' تو عرض کرنے لگے: میں نے سارے جہانوں کے رب کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

اس حکم کے بعد اس وصیت اور تعلیم کا بیان شروع ہو جاتا ہے جو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یعقوبؑ نے اپنی اپنی اولاد کو دی اور یہ بیان تمام انبیاء ورسل پر بلا امتیاز ایمان لانے کے حکم پر ختم ہوتا ہے۔ گویا یہ مضمون رب العالمین کی آفاقی ربوبیت کے بیان سے شروع ہوا اور اس کے بھیجے ہوئے تمام انبیاء ورسل پر ایمان لانے کے حکم پر ختم ہوا، جس کا واضح مقصد یہ ہے کہ یہ ہمہ گیر ایمان رب العالمین کے مفہوم میں نہ صرف شامل ہے بلکہ اس کا مدعا ہے۔

۷۔ رب العالمین کے الفاظ خود جزاوسزا کے نظام کا اثبات کر رہے ہیں' کیونکہ وہ تربیت کیسی ہے جس کے اختتام پر امتحان نہ ہو اور نیک وبد کے ساتھ انجام کار صحیح انصاف نہ ہو۔ اس احساس جوابدہی کو ختم کر کے جزاوسزا کے وجود سے انکار کے بعد کوئی نظام تربیت وپرورش اپنے مقاصد کو حاصل کر ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اس کے بغیر افراد کا اخلاقی کمال کو پانا اور ان کی عملی عظمت وگراوٹ کا پرکھا جانا نہ صرف ممکن ہی نہیں بلکہ خود تربیت وپرورش کا نظام بے مقصد وبے سود ہو کر رہ جاتا ہے۔ اساتذہ اور والدین کے حسن پرورش وتربیت میں بھی یہی محرک کار فرما ہوتا ہے۔

۸۔ رب العالمین اس امر کا واضح اعلان بھی ہے کہ باری تعالیٰ کی ربوبیت و رحمت کا فیضان کسی خاص نسل' قبیلے' علاقے اور طبقے کے لیے محدود و مختص

نہیں بلکہ تمام افراد بنی آدم کے لیے عام ہے' اس لیے سب نسلی' لسانی اور گروہی تفاخر کے تصورات باطل ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ ربوبیت الٰہیہ کی عالمگیریت کے حوالے سے انسانی سطح پر عالمی اخوت و مساوات کا ایسا علم بلند کیا جائے کہ کوئی قوم کسی دوسری قوم پر ناروا برتری اور تفوق کا حق نہ جما سکے اور نہ اس بنیاد پر اس کا استحصال کر سکے۔

۹۔ رب العالمین کا تقاضا یہ بھی ہے کہ جملہ افراد اپنی زندگی کے سارے معاملات میں باری تعالیٰ کی اطاعت کریں۔ کیونکہ حق یہی ہے کہ جو پیدا کرنے والا' پالنے والا اور تمام جسمانی و روحانی ضروریات کی کفالت کر کے بندوں کو اپنے کمال تک پہنچانے والا ہے' وہی حقدار ہے کہ اس کا ہر حکم مانا جائے' جس کا حکم ماننے کو وہ کہے اس کو مانا جائے اور جس سے منع کرے اس سے باز رہا جائے۔ ہم نے اللہ کے سوا اطاعت احکام کی جتنی دیگر سمتیں بنا رکھی ہیں' جو اطاعت الٰہی سے متضاد و متصادم ہیں' سب طاغوت ہیں۔ ان کا اقرار و اطاعت فی الواقع اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے اعتقاد کے خلاف بغاوت ہے۔ جب رب کائنات وہ ہے تو گردنیں اس کے غیر کے سامنے کیوں جھکیں!!!

۱۰۔ رب العالمین کا اعلان انسان کو اس حقیقت سے بھی آشنا کرتا ہے کہ باری تعالیٰ سے بڑھ کر اس کا کوئی اور خیر خواہ اور محبت کرنے والا نہیں ہو سکتا۔ جو از خود پالنے اور حفاظت کرنے کی ذمہ داری نبھا رہا ہو' بھلا اس سے بڑھ کر بھی کوئی خیر خواہ ہو سکتا ہے؟ لہٰذا بندے کو چاہیئے کہ وہ ہر حال میں اسی پر بھروسہ کرے اس کی رحمت سے مایوس نہ ہو' ہر قدم پر اسی کی رضا کا متلاشی رہے اور اس کے دیئے ہوئے نظام زندگی پر ہی اکتفا و قناعت کرے۔ انسانی زندگی کا جو دائمی منصوبہ اس کی ہدایت اور تعلیم میں ہو سکتا ہے کسی اور فکر و نظریہ میں ممکن

نہیں۔ اس لیے اہلِ دنیا کے وہ تمام سیاسی ' اقتصادی اور اخلاقی و مذہبی فلسفے ' جو رب العالمین کی عطا کردہ ہدایت سے متصادم ہیں وہ بالآخر کسی نہ کسی شکل میں ظلم واستحصال ہی کا باعث ہوتے ہیں۔ حقیقی فلاح فقط اسی نظام میں ہے ' جو ساری انسانیت کے پالنے والے رب نے عطا کیا ہے، جو قرآن و سنت کی صورت میں امتِ مسلمہ کے پاس موجود ہے۔ سو اسی کا دامن تھامنے میں اصل کامیابی ہے۔

۱۱۔ رب العالمین کا اعلان پرورش اس امر کو بھی واضح کر رہا ہے کہ دوسروں کی پرورش اور کفالت کرنا چونکہ اللہ تعالیٰ کا سب سے پہلا محبوب فعل ہے اس لئے اسے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ محبت بھی اسی شخص اور طبقے سے ہوتی ہے جو دوسرے افراد کے لیے اسی کردار کو اپناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا راز یہی ہے کہ اس کی صفات واخلاق کو اپنایا جائے۔ سو ہر کس و ناکس ' اپنے پرائے ' دوست دشمن اور واقف و ناواقف کے ساتھ مربیانہ سلوک جس میں دوسرے کے لیے نفع بخشی ' فیض رسانی ' حسب ضرورت کفالت و پرورش اور ایثار و انفاق کے پہلو پائے جائیں ' روا رکھنا قربِ الٰہی کا باعث ہے۔ یہی اخلاق الٰہی ہے اور یہی اخلاق محمدیؐ۔ رب العالمین کی شان یہ ہے کہ کوئی اسے مانے نہ مانے وہ ہر ایک عمل سے اور کردار سے بے نیاز ہو کر اس کی ضرورتوں کی کفالت کرتا جا رہا ہے۔ پس وہی شخص اللہ تعالیٰ کو محبوب تر ہے ' جو لوگوں کے رویے، کردار، حسد، مخالفت اور مخاصمت سے بے نیاز ہو کر رحمت اور بھلائی کی خیرات بانٹتا چلا جائے۔ اس کا مقصود کسی سے انتقام لینا نہ ہو بلکہ ہر ایک کے لیے بھلائی چاہنا ہو۔ جو مخلوق خدا کی جس قدر بڑھ کر پرورش کرے گا ' اللہ تعالیٰ کے فیضانِ پرورش سے اسی قدر زیادہ فیض پائے گا۔ کاش ہمیں من حیث القوم اس نکتے کی سمجھ آ جائے۔

فصل رابع

حیاتِ عالم میں نظامِ ربوبیت کے مظاہر

رب العالمین کے الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ کائنات جملہ عوالم اور مظاہر حیات کی تخلیق و تکمیل کے مسلسل نظام ارتقاء سے گزر رہی ہے۔ کیونکہ رب یرب اور تربیت و ربوبیت کا معنی ارتقائی' تدریجی اور مرحلہ وار پرورش کے مفہوم پر ہی دلالت کرتا ہے' جس کی تفصیل پہلے لفظ رب کے معنی و مفہوم کے تحت گزر چکی ہے۔ باری تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق اور فعل خلق کی تکمیل کے بیان کے لیے اپنی صفت ربوبیت کو منتخب فرمایا ہے' جس سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔ قرآن تصور ربوبیت کی صورت میں اپنا ایک نظریہ ارتقاء دے رہا ہے جس کا ثبوت ہمیں انفس و آفاق کے دونوں عالموں میں واضح طور پر میسر آتا ہے اور رب العالمین کے الفاظ کے ذریعے اس امر کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ کائنات ہمیں جس شکل میں آج نظر آرہی ہے یہ اس کی وہ اصل ابتدائی شکل نہیں جس میں اسے اولاً تخلیق کیا گیا تھا بلکہ یہ تخلیقی ارتقاء کے مختلف مراحل اور مدارج طے کرتی ہوئی یہاں تک پہنچی ہے۔

امر تخلیق اور اصول ارتقاء

قرآن مجید رب العالمین کی شان تخلیق کو دو الفاظ کے ذریعے واضح کرتا ہے:۔

۱۔ امر اور ۲۔ خلق

ارشاد ربانی ہے:۔

أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ۔ (الاعراف' ۷:۵۴)

خبردار! ہر چیز کی تخلیق اور حکم و تدبیر کا نظام چلانا اسی کا کام ہے۔

اس حوالے سے امر 'ابداع (عدم سے وجود میں لانا) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور خلق کا ایک استعمال ابداع کے مقابلے میں إيجاد الشيء من الشيء (ایک شے سے دوسری شے وجود میں لانا) کے معنی میں ہے۔ اس معنوی جہت کی بنا پر تخلیق کے دو مرحلے ہیں جو ربوبیت الٰہیہ کے فیضان سے مکمل ہوتے ہیں۔ امر پہلا مرحلہ ہے اور خلق دوسرا۔

خلق کی تعریف انگریزی زبان میں یوں کی جا سکتی ہے:۔

KHALQ: is to creat a new object the existing constituents, which means appearance of an object in its manifest form.

امر کو ان الفاظ میں واضح کیا جا سکتا ہے:۔

AMR: is a process of becoming, prior to the stage of Khalq, which means coming of an object in its original existence.

امر و خلق کے مراحل میں ارادہ ربوبیت اور الوہی فلسفہ کار فرما ہوتا ہے' اسے مشیت کہتے ہیں۔ ارشاد قرآنی ہے:۔

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئاً أَنْ يَقُوْلَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنَO	اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو (پیدا کرنے) کا ارادہ فرماتا ہے، اس سے
(یٰسین' ۳۶:۸۲)	کہتا ہے ہو جا! پس وہ ہو جاتی ہے۔

اس شے کا ہو جانا کیا ہے؟ یہ بھی ایک عمل ارتقائی ہے جو فوری طور پر وجود میں آتا جاتا ہے۔ توجہ کن، ارادۂ حق یا مشیت ربانی سے اس شے کو جس کا وجود پہلے فقط درجہ علم میں ہوتا ہے' دو صفات عطا کر دی جاتی ہیں:۔

۱۔ منظوریت (Objectivity)

۲۔ استمرار (Persistence / Existence)

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شے وجود علمی سے وجود خارجی میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اب دیکھے جانے کے قابل ہو جاتی ہے اور برقرار رہ سکتی ہے۔ یہ عالم غیر نامی (Inorganic World) کا آغاز ہوتا ہے۔ جمادات وغیرہ کا تعلق اسی عالم سے ہے۔ بعد ازاں اسے امر کن کے فیضان مسلسل سے صفت نمو (Organism) عطا کر دی جاتی

ہے اور عالم نامی (Organic World) وجود میں آجاتا ہے۔ نباتات کا تعلق اس عالم سے ہے۔ پھر اس عالم سے امر کن کے ذریعے ہی شعور (Conscience) کا اضافہ کیا جاتا ہے تو عالم حیوانات (Animal World) وجود میں آجاتا ہے اور اس میں خود شعوری کا اضافہ ہوتا ہے تو عالم انس کا ظہور عمل میں آتا ہے۔ پھر ہر عالم کے اندر ایک جداگانہ نظام ارتقاء ہے جس سے سلسلۂ تخلیق کو وسعت ملتی چلی جاتی ہے۔ یہ سب مادی کائنات کا سلسلۂ تخلیق ہے جسے عرف عام میں عالم خلق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح غیر مادی یا فوق الطبیعی کائنات بھی ہے' جسے عرف عام میں عالم امر سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کا بھی ایک سلسلۂ تخلیق ہے جو جداگانہ نظام ارتقاء پر مبنی ہے۔ یہ انوار و ارواح کا عالم ہے۔ اس کے ارتقائی اور توسیعی سلسلے پر کچھ روشنی اس حدیث نبوی ﷺ سے پڑتی ہے' جس میں حضرت جابر بن عبداللہؓ حضور ﷺ سے دریافت کرتے ہیں:۔

بأبي أنت و أمي أخبرني عن أول شيء خلق الله تعالى قبل الأشياء قال يا جابر إن الله تعالى خلق قبل الأشياء نور نبيك من نوره۔	یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھے خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز پیدا کی؟ آپ نے فرمایا: اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور (کے فیض) سے پیدا کیا۔
(السیرۃ الحلبیہ، ۱:۳۰)	
(المواهب اللدنیۃ' ۱:۹)	
(شرح المواهب' ۱:۴۶)	

پھر اس نور کی تقسیم ہوئی جس سے قلم' عرش اور حاملانِ عرش وجود میں آئے۔ پھر اس کی مزید تقسیم سے کرسی اور ملائکہ وغیرہ پیدا ہوئے۔

اس حدیث سے بھی اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ تخلیق موجودات کے سارے نظام میں شان ربوبیت کی کار فرمائی اور ارتقاء و تدریج کا نظام ہے۔ ہر چیز خواہ اس کا تعلق کسی بھی عالم سے ہو' ایک ارتقائی نظام کے تحت وجود میں آئی ہے۔ یہی رب العالمین

کا مفہوم ہے۔

نظام ربوبیت اور انسانی زندگی کا کیمیائی ارتقاء

جس طرح عالم آفاق کے جلوے اجمالاً عالم انفس میں کارفرما ہیں، اسی طرح نظام ربوبیت کے آفاقی مظاہر بھی پوری آب و تاب کے ساتھ حیات انسانی کے اندر جلوہ افروز ہیں۔ انسان کے احسن تقویم کی شان کے ساتھ منصۂ خلق پر جلوہ گر ہونے سے پہلے اس کی زندگی ایک ارتقائی دور سے گزری۔ یہی اسکے کیمیائی ارتقاء (Chemical Evolution) کا دور ہے۔ جس میں باری تعالیٰ کے نظام ربوبیت کا مطالعہ بجائے خود ایک دلچسپ اور نہایت اہم موضوع ہے۔ یہ کیمیائی ارتقاء کا قبل از حیاتیاتی دور ہے۔ یہ حقائق آج صدیوں کے بعد سائنس کو معلوم ہو رہے ہیں جبکہ قرآن انہیں چودہ سو سال پہلے بیان کر چکا ہے۔ قرآن مجید کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ انسانی زندگی کا کیمیائی ارتقاء کم و بیش سات مرحلوں سے گزر کر تکمیل پذیر ہوا ہے جو درج ذیل ہے:۔

۱۔ تُرَابٌ	1- Inorganic matter
۲۔ مَآءٌ	2- Water
۳۔ طِيْنٌ	3- Clay
۴۔ طِيْنٌ لَّازِبٌ	4- Sticky clay / Adsorption
۵۔ صَلْصَالٌ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ	5- Old, Physically & Chemically altered mud
۶۔ صَلْصَالٌ كَالْفَخَّارِ	6- Dried & Highly purified clay
۷۔ سُلٰلَةٌ مِّنْ طِيْنٍ	7- Extract of purified clay

قرآن مجید میں مذکورہ بالا سات مرحلوں کا ذکر مختلف مقامات پر یوں آتا ہے:۔

۱۔تراب (Inorganic matter)

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ۔ (المؤمن، ۴۰:۶۷)	وہی ہے جس نے تم کو (پہلے) مٹی (یعنی غیر نامی مادے) سے بنایا۔

اس آیت کریمہ میں آگے حیاتیاتی ارتقاء کے بعض مراحل کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً: ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا۔ لیکن قابل توجہ پہلو یہ بھی ہے کہ انسانی زندگی کے ان ارتقائی مرحلوں کا ذکر باری تعالیٰ نے اپنی صفت رب العالمین کے بیان سے شروع کیا ہے۔ اس سے پہلی آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں:۔

وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ (المؤمن، ۴۰:۶۶)	اور مجھے یہ حکم مل چکا ہے کہ میں سارے جہانوں کے پروردگار کا فرمانبردار رہوں۔

یہاں اپنی شان رب العالمین کا ذکر کر کے ساتھ ہی دلیل کے طور پر انسانی زندگی کا ارتقاء بیان کر دیا گیا ہے، جس سے واضح طور پر یہ سبق ملتا ہے کہ قرآن باری تعالیٰ کے رب العالمین ہونے کو انسانی زندگی کے نظام ارتقاء کے ذریعے سمجھنے کی دعوت دے رہا ہے کہ اے نسل بنی آدم! ذرا اپنی زندگی کے ارتقاء کے مختلف ادوار و مراحل پر غور کرو کہ تم کس طرح مرحلہ وار اپنی تکمیل کی طرف لے جائے گئے ہو۔ کس طرح تمہیں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کیا گیا اور کس طرح تم بالآخر احسن تقویم کی منزل کو پہنچے۔ کیا یہ سب کچھ رب العالمین کی پرورش کا مظہر نہیں ہے، جس نے تمہیں بجائے خود ایک عالم بنا دیا ہے۔

۲۔ ماء (Water)

وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا۔
(الفرقان،۲۵:۵۴)

اور ہم نے (زمین پر) ہر زندہ چیز (کی زندگی) کی نمو دپانی سے کی تو کیاوہ (ان حقائق سے آگاہ ہو کراب بھی) ایمان نہیں لاتے۔

اس آیت کریمہ میں بھی تخلیق انسانی کے مرحلے کے ذکر کے بعد باری تعالیٰ کی شان ربوبیت کا بیان ہے:۔

وَکَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًاo
(الفرقان'۲۵:۵۴)

اور آپ کا رب قدرت والا ہے۔

گویا یہ ظاہر کیا جارہا ہے کہ تخلیق انسانی کا یہ سلسلہ باری تعالیٰ کے نظام ربوبیت کا مظہر ہے۔ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا:۔

وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَo
(الانبیاء'۲۱:۳۰)

اور ہم نے (زمین پر) ہر زندہ چیز (کی زندگی) کی نمو دپانی سے کی تو کیاوہ (ان حقائق سے آگاہ ہو کراب بھی) ایمان نہیں لاتے۔

یہ آیت کریمہ حیات انسانی یا حیات ارضی کے ارتقائی مراحل پر تحقیق کرنے والے سائنسدانوں کے لیے دعوت فکر بھی ہے اور دعوت ایمان بھی۔

۳۔ طین (Clay)

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِنْ طِیْنٍo
(الانعام'۶:۲)

(اللہ) وہی ہے جس نے تمہیں مٹی کے گارے سے پیدا فرمایا۔

یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ مترجمین قرآن نے بالعموم تراب اور طین۔

دونوں کا معنی مٹی کیا ہے۔ جس سے یہ مغالطہ پیدا ہو سکتا ہے کہ آیا یہ دو الگ مرحلے ہیں یا ایک ہی مرحلے کے دو مختلف نام۔ اس لیے ہم نے دونوں کے امتیاز کو برقرار رکھنے کے لیے طین کا معنی گارا کیا ہے۔ تراب اصل میں خشک مٹی کو کہتے ہیں۔ بلکہ امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں: التراب: الارض نفسها (تراب سے مراد فی نفسہ زمین ہے) جبکہ طین اس مٹی کو کہتے ہیں جو پانی کے ساتھ گوندی گئی ہو۔ جیسا کہ مذکور ہے:۔

الطین: التراب و الماء المختلط۔ (المفردات:۳۱۲)

مٹی اور پانی باہم ملے ہوئے ہوں تو اسے طین کہتے ہیں۔

اسی طرح کہا گیا ہے:۔

الطین: التراب الذی یجبل بالماء۔ (المنجد:۴۹۶)

طین سے مراد وہ مٹی ہے جو پانی کے ساتھ گوندھی گئی ہو۔ (اسی حالت کو گارا کہتے ہیں)

اس لحاظ سے یہ ترتیب واضح ہو جاتی ہے: مٹی..........پانی..........گارا۔

۴۔ طین لازب (Sticky Clay)

إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَازِبٍ۝ (الصافات' ۳۷:۱۱)

ہم نے تو ان لوگوں کو ایک چپکتے ہوئے گارے سے پیدا کیا۔

طین لازب' طین کی اگلی شکل ہے، جب گارے کا گاڑھا پن زیادہ ہو جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے:۔

اذا زال عنه (الطین) قوة الماء فهو طین لازب۔

جب گارے سے پانی کی سیالنیت زائل ہو جائے تو اسے طین لازب کہتے ہیں۔

یہ وہ حالت ہے جب گارا قدرے سخت ہو کر چپکنے لگتا ہے۔

۵۔ صلصال من حماء مسنون

(Old, Physically & Chemically Altered Mud)

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَاٍ مَسْنُوْنٍ ٥ (الحجر ۱۵:۲۶)	اور بے شک ہم نے انسان کی (کیمیائی) تخلیق ایسے خشک بجنے والے گارے سے کی جو (پہلے) سن رسیدہ، سیاہ بدبودار ہو چکا تھا۔

اس آیت کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ تخلیق انسانی کے کیمیائی ارتقاء میں یہ مرحلہ طین لازب کے بعد آتا ہے۔ یہاں صلصال (بجتی مٹی) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کی اصل صلل ہے۔ اس کا معنی ہے:۔

تردد الصوت من الشیئ الیابس سمی الطین الجاف صلصال۔ (المفردات: ۲۷۴)	خشک چیز سے پیدا ہونے والی آواز کا تردد یعنی کھنکناہٹ، اسی لیے خشک مٹی کو صلصال کہتے ہیں کیونکہ یہ بجتی اور آواز دیتی ہے۔

اہل لغت الصلصال کا معنی کچھ اس طرح سے بیان کرتے ہیں:۔

الصلصال: الطین الیابس الذی یصل من یبسہ ای یصوت۔ (المنجد: ٤٤٢)	صلصال سے مراد وہ خشک مٹی ہے جو اپنی خشکی کی وجہ سے بجتی ہے 'یعنی آواز دیتی ہے۔

صلصال کی حالت گارے کے خشک ہونے کے بعد ہی ممکن ہے' پہلے نہیں۔ کیونکہ عام خشک مٹی' جسے تراب کہا گیا ہے' اپنے اندر بجنے اور آواز دینے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ لفظ صلصال اس اعتبار سے تراب سے مختلف مرحلے کی نشاندہی کر رہا ہے۔ لہذا صلصال کا مرحلہ طین لازب یعنی چپکنے والے گارے کے بعد آیا۔ جب طین لازب (چپکنے

والا گارا) وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خشک ہوتا گیا تو اس خشکی سے اس میں بجنے اور آواز دینے کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔ یہ تو طبعی تبدیلی (Physical change) تھی مگر اس کے علاوہ اس پر وقت گزرنے کے مرحلے میں صاف ظاہر ہے کیمیائی تبدیلی (Chemical change) بھی ناگزیر تھی، جس میں اس مٹی کے کیمیائی خواص میں بھی تغیر آیا ہو گا۔

ان دونوں چیزوں کی تصدیق اس آیت کے اگلے الفاظ سے ہو جاتی ہے:۔

صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُوْنٍo
(الحجر، ۱۵:۲۶)

ایسے خشک بجنے والے گارے سے جو (پہلے) سن رسیدہ، سیاہ بدبودار ہو چکا تھا۔

اس آیت کریمہ میں دو الفاظ قابل توجہ ہیں: ۱۔حماء ۲۔ مسنون

حماء: سیاہ گارے کو کہتے ہیں۔ گارے یا کیچڑ کی سیاہی بھی اس کے سڑے ہوئے ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ حمیٰ حرارت اور بخار کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں یہ لفظ تپنے، کھولنے اور جلنے وغیرہ کے معنوں میں کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

1- تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةًo
(الغاشیۃ، ۸۸:۴)

دہکتی ہوئی آگ میں جا گریں گے۔

2- يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ
(التوبۃ، ۹:۳۵)

جس دن اس (سونے، چاندی اور مال) پر دوزخ کی آگ میں تاپ دی جائے گی۔

3- وَيَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًاo اِلَّا حَمِيْمًا
(النباء، ۷۸:۲۵)

نہ وہ اس میں (کسی قسم کی) ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ کسی پینے کی چیز کا سوائے کھولتے ہوئے گرم پانی کے۔

الغرض حماء میں اس سیاہ گارے کا ذکر ہے جس کی سیاہی، تپش اور حرارت کے باعث وجود میں آئی ہو۔ گویا یہ لفظ جلنے اور سڑنے کے مرحلے کی نشان دہی کر رہا ہے۔

مسنون؛ اس سے مراد متغیر اور بدبودار ہے۔ یہ سِنّ سے مشتق ہے جس کے معنی صاف کرنے چمکانے اور صیقل کرنے کے بھی ہیں۔ مگر یہاں اس سے مراد متغیر ہو جانا ہے، جس کے نتیجے میں کسی شے میں بو پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ احماء (جلانے اور ساڑنے) کا لازمی نتیجہ ہے۔ جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:۔

فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ۔	پس (اب) تو اپنے کھانے اور پینے (کی چیزوں) کو دیکھ (وہ) متغیر (باسی) بھی نہیں ہوئیں۔
(البقرۃ '۲:۲۵۹)	

جب گارے (طین لازب) پر طویل زمانہ گزرا اور اس نے جلنے سڑنے کے مرحلے عبور کیے تو اس کا رنگ بھی متغیر ہو کر سیاہ ہو گیا اور جلنے کے اثر سے اس میں بو بھی پیدا ہو گئی۔ اسی کیفیت کا ذکر صَلصَالٍ مِنْ حَمَاٍ مَسْنُوْنٍ میں کیا جا رہا ہے۔

کسی شے کے جلنے سے بدبو کیوں پیدا ہوتی ہے؟ اس کا جواب بڑا واضح ہے کہ جلنے کے عمل سے کثافتیں سڑتی ہیں اور بدبو کو جنم دیتی ہیں جو کہ مستقل نہیں ہوتی۔ اس وقت تک رہتی ہے جب تک کثافتوں کے سڑنے کا عمل یا اس کا اثر باقی رہتا ہے اور جب کثافت ختم ہو جاتی ہے بدبو بھی معدوم ہو جاتی ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا گیا:۔

صَلصَالٍ مِنْ حَمَاٍ مَسْنُوْنٍ ٥	ایسے خشک بجنے والے گارے جو (پہلے) سن رسیدہ، سیاہ بدبودار ہو چکا تھا۔
(الحجر '۱۵:۲۶)	

گویا لفظ صلصال واضح کر رہا ہے کہ اس مرحلے تک پہنچتے پہنچتے مٹی کی سیاہی اور بدبو وغیرہ سب ختم ہو چکی تھی اور اس کی کثافت بھی کافی حد تک معدوم ہو چکی تھی۔

٦۔ صلصال کالفخار (Dried & Highly Pured Clay)

اس مرحلے کی نسبت ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ہ	اسی نے انسان کو مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح بجتی تھی پیدا کیا۔

(الرحمٰن‘ ۵۵: ۱۴)

جب تپانے اور جلانے کا عمل مکمل ہوتا ہے تو گارا پک کر خشک ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت کو صلصال کالفخار سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس تشبیہ میں دو اشارے ہیں:۔

i۔ ٹھیکرے کی طرح پک کر خشک ہو جانا۔

ii۔ کثافتوں سے پاک ہو کر نہایت لطیف اور عمدہ حالت میں آ جانا۔

لفظ فخار کا مادہ فخر ہے جس کے معنی مباہات اور اظہار فضیلت کے ہیں۔ یہ فاخر سے مبالغے کے صیغے میں ہے یعنی بہت فخر کرنے والا۔ فخار عام طور پر گھڑے کو بھی کہتے ہیں اور مترجمین و مفسرین نے بالعموم یہاں یہی معنی مراد لیے ہیں۔ ٹھیکرا اور گھڑا چونکہ اچھی طرح پک چکا ہوتا ہے اور خوب بجتا اور آواز دیتا ہے‘ گویا اپنی آواز اور گونج سے اپنے پکنے خشک اور پختہ ہونے کو ظاہر کرتا ہے‘ اس لیے اسے فخر کرنے والے کے ساتھ تشبیہ دے دی گئی ہے کہ وہ بھی اپنی فضیلت اور شرف کو ظاہر کرتا ہے۔

فاخر اور فخار کا ایک دوسرا معنی بھی ہے‘ جس کی طرف عام طور پر توجہ نہیں کی گئی‘ حالانکہ وہ اس پس منظر میں نہایت اہم ہے۔ امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں:۔

یعبر عن کل نفیس بالفاخریقال ثوب فاخر وناقة فخور۔	ہر نفیس اور عمدہ چیز کو فاخر کہتے ہیں۔ اس لیے ثوب فاخر نفیس کپڑے کو اور ناقة فخور عمدہ اونٹنی کو کہا جاتا ہے۔
(المفردات: ۳۷۴)	

فخار، فاخر سے مبالغہ ہے جو کثرت نفاست اور نہایت عمدگی پر دلالت کرتا ہے۔ صاحب المحیط بیان کرتے ہیں:۔

الفاخر: الجید من کل شیء۔	فاخر: کسی بھی شے کی عمدگی کو کہتے ہیں۔
(القاموس المحیط‘ ۲: ۱۱۲)	

فخار میں عمدگی اور نفاست میں مزید اضافہ مراد ہے۔ اس معنی کی رو سے اظہار شرف کی بجائے اصل شرف کی طرف اشارہ ہے۔ دونوں معانی میں ہرگز کوئی تخالف اور تعارض نہیں بلکہ ان میں شاندار مطابقت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

باری تعالیٰ تخلیق انسانی کے سلسلہ ارتقاء کے ضمن میں اس مرحلے پر یہ واضح فرما رہے ہیں کہ وہ مٹی اور گارا جو انسانی بشریت کی اصل تھا اس قدر تپایا اور جلایا گیا کہ وہ خشک ہو کر پکتا بھی گیا اور ساتھ ہی ساتھ مٹی اپنی کثافتوں سے پاک صاف ہو کر نفاست اور عمدگی کی حالت کو بھی پاتی گئی۔ یہاں تک کہ جب وہ صلصال کالفخار کے مرحلے تک پہنچی تو ٹھیکرے کی طرح خشک ہو چکی تھی اور کثافتوں سے پاک ہو کر نہایت لطیف اور عمدہ مادے کی حالت اختیار کر چکی تھی۔ گویا اب ایسا پاک صاف، نفیس، عمدہ اور لطیف مادہ تیار ہو چکا تھا کہ اسے اشرف المخلوقات کی بشریت کا خمیر بنایا جا سکے۔ انسان اور جن کی تخلیق میں یہی فرق ہے کہ جن کی خلقت ہی آگ سے ہوئی مگر انسان کی خلقت میں صلصال کی پاکیزگی طہارت اور لطافت کے حصول کے لیے آگ کو محض استعمال کیا گیا۔ اسے خلقت انسانی کا مادہ نہیں بنایا گیا۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِo وَ خَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍo

(الرحمٰن، ۵۵: ۱۴، ۱۵)

اس نے انسان کو مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح بجتی تھی پیدا کیا اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔

اسی طرح ارشاد فرمایا گیا:۔

وَ الْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِo

(الحجر، ۱۵: ۲۷)

اور اس سے پہلے ہم نے جنوں کو شدید جلا دینے والی آگ سے پیدا کیا جس میں دھواں نہیں تھا۔

اس لئے خلقت انسانی کے مراحل میں آگ کو ایک حد تک دخل ضرور ہے مگر وہ

جنات کی طرح انسان کا مادہ تخلیق نہیں۔

۷۔سُلالۃٌ من طین (Extract of purified clay)

ارشادِ ایزدی ہے:۔

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِنْ طِيْنٍ o	اور بے شک ہم نے انسان کی تخلیق (کی ابتدائی) مٹی (کے کیمیائی اجزاء) کے خلاصہ سے فرمائی۔
(المومنون ۲۳:۱۲)	

اس میں گارے کے اس مصفّٰی اور خالص نچوڑ کی طرف اشارہ ہے' جس میں اصل جوہر کو چن لیا جاتا ہے۔ یہاں طین لازب کے تزکیہ و تصفیہ کا بیان ہے۔ سُلالۃ: سل یسل سے مشتق ہے' جس کے معنی میں نکالنا' چننا اور میل کچیل سے اچھی طرح صاف کرنا شامل ہے۔ امام راغب اصفہانی" لکھتے ہیں کہ سُلالۃ من طین سے مراد الصفو، الذی یسل من الارض ہے۔ یعنی مٹی سے چنا ہوا وہ جوہر جسے اچھی طرح میلے پن سے پاک صاف کر دیا گیا ہو۔ جس تلوار کی دھار خوب تیز کی گئی ہو اسے السیف السلیل کہتے ہیں۔ الغرض سُلالۃ اس وقت وجود میں آتا ہے جب کسی چیز کو اچھی طرح صاف کیا جائے' اس کی کثافتوں اور میلے پن کو ختم کیا جائے اور اس کے جوہر کو مصفّٰی اور مزکّی حالت میں نکالا جائے۔ گویا سُلالۃ کا لفظ کسی چیز کی اس لطیف ترین شکل پر دلالت کرتا ہے جو اس چیز کا نچوڑ اور جوہر کہلاتی ہے۔

تخلیق آدم علیہ السلام اور تشکیل بشریت

کرۂ ارض پر تخلیق انسانی کے آغاز کے لیے خمیر بشریت اپنے کیمیائی ارتقاء کے کن کن مراحل سے گزارا' اپنی صفائی اور لطافت کی آخری منزل کو پانے کے لیے کن کن تغیرات سے نبرد آزما ہوا اور بالآخر کس طرح اس لائق ہوا کہ اس سے حضرت انسان کا بشری پیکر تخلیق کیا جائے اور اسے خلافت و نیابت الٰہیہ کے عالی شان منصب سے سرفراز کیا

جائے؟ اس کا کچھ نہ کچھ اندازہ تو مذکورہ بالا بحث سے ضرور ہو سکتا ہے۔ یہاں یہ امر پیش نظر رہے کہ ان ارتقائی مراحل کی جس ترتیب اور تفصیل کا ہم نے ذکر کیا ہے اسے حتمی نہ سمجھا جائے۔ کوئی بھی صاحب علم ان جزئیات و تفصیلات کے بیان میں اختلاف کر سکتا ہے۔ جو کچھ مطالعہ قرآن سے ہم پر منکشف ہوا ہم نے بلا تامل عرض کر دیا ہے۔ البتہ اس قدر حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ آیات قرآنی میں مختلف الفاظ و اصطلاحات کے استعمال سے کیمیائی ارتقاء کے تصور کی واضح نشان دہی ہوتی ہے۔

جب ارضی خمیر بشریت مختلف مراحل سے گزر کر پاک صاف ہو چکا اور اپنی جوہری حالت کو پہنچا تو اس سے باری تعالیٰ نے پہلے انسان کی تخلیق بصورت حضرت آدم علیہ السلام فرمائی اور فرشتوں کو ارشاد فرمایا کہ میں زمین میں خلیفہ پیدا فرمانے والا ہوں جس کا پیکر بشریت اس طرح تشکیل دوں گا۔ یہ تفصیلات سورہ البقرۃ '۲: ۳۰۔۳۴' سورہ الحجر '۱۵: ۲۶۔۳۵'، سورہ الاعراف '۷: ۱۱۔۱۶ اور دیگر کئی ایک مقامات پر بیان کی گئی ہیں۔

فرشتوں کا اس خیال کو ظاہر کرنا کہ یہ پیکر بشریت زمین میں خونریزی اور فساد انگیزی کرے گا' اسی طرح ابلیس کا انکار سجدہ کے جواز کے طور پر حضرت آدم علیہ السلام کی بشریت اور صلصال من حماء مسنون کا ذکر کرنا وغیرہ' یہ سب امور اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ ان کی نظر انسان کی بشریت کی تشکیل کے ابتدائی اور دورانی مراحل پر تھی' اور وہ یہ خیال ان اجزائے ترکیبی کے خواص کے باعث کر رہے تھے' جن کا استعمال کسی نہ کسی شکل میں اس پیکر خاکی کی تخلیق میں ہوا تھا۔ وہ مٹی کی کثافت اور آگ کی حرارت جیسی چیزوں کی طرف دھیان کیے ہوئے تھے۔ ان کی نظر مٹی کی اس جوہری حالت پر نہ تھی جو مصفّٰی اور مزکّی ہو کر سراسر کندن بن چکی تھی، جسے باری تعالیٰ سُلالۃ من طین سے تعبیر فرما رہا تھا۔ مٹی کی یہ جوہری حالت ''سُلالۃ'' کیمیائی تغیرات سے تزکیہ و تصفیہ کے ذریعے اب یقیناً اس قابل ہو چکی تھی کہ اس میں روح الٰہیہ پھونکی جاتی اور نفخ روح کے ذریعے اس کے پیکر کو فیوضات الٰہیہ کے اخذ و قبول اور انوار و تجلیات ربانی کے انجذاب کے قابل بنا دیا

جاتا۔اس لیے ارشاد فرمایا گیا:۔

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوْحِي فَقَعُوْا لَهُ سَاجِدِيْنَ٥
(الحجرات‘۲۹:۱۵)

پھر جب میں اس کی (ظاہری) تشکیل کو کامل طور پر درست حالت میں لا چکوں اور اس پیکر (بشری کے باطن) میں اپنی (نورانی) روح پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدہ میں گر پڑنا۔

چنانچہ بشریت انسانی کی اسی جوہری حالت کو سنوارا گیا اور اسے نفخ روح کے ذریعے عَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا (آدم کو تمام اشیاء کے اسماء کا علم عطا فرمایا) کا مصداق بنایا گیا اور تب ہی حضرت انسان مسجود ملائک ہوا۔

فصل خامس

تشکیلِ بشریتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

بشریت محمدی ﷺ کی جوہری حالت

امام احمد بن محمد القسطلانی ”المواہب اللدنیۃ“ میں رقم طراز ہیں کہ شیخ عبداللہ بن ابی جمرہ اپنی کتاب ”بہجۃ النفوس“ میں اور امام ابن سبع ”شفاء الصدور“ میں سیدنا کعب الاحبارؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے بشریت محمدی ﷺ کو تخلیق فرمانا چاہا تو جبریل امین کو ارشاد فرمایا کہ وہ زمین کے دل اور سب سے اعلیٰ مقام کی مٹی لے آئے تاکہ اسے منور کیا جائے:۔

فھبط جبریل فی ملائکۃالفردوس و ملائکۃ الرفیع الاعلیٰ فقبض قبضۃ رسول اللہ ﷺ من موضع قبرہ الشریف وھی بیضاء منیرۃ فعجنت بماء التسنیم فی معین أنھار الجنۃ حتی صارت کالدرۃ البیضاء لھا شعاع عظیم۔

(المواہب اللدنیۃ ۱:۸)

پس جبریلؑ مقام فردوس اور رفیع اعلیٰ کے فرشتوں کے ساتھ اترے اور حضور ﷺ کے مزار اقدس کی جگہ سے رسول اللہ ﷺ کی بشریت مطہرہ کے لیے مٹی حاصل کی۔ وہ سفید رنگ کی چمکدار مٹی تھی پھر اسے جنت کی رواں نہروں کے دھلے اور اجلے پانی سے گوندھا گیا اور اسے اس قدر صاف کیا گیا کہ وہ سفید موتی کی طرح چمکدار ہو گئی اور اس میں سے نور کی عظیم کرنیں پھوٹنے لگیں۔

اس کے بعد ملائکہ نے اسے لے کر عرش الٰہی اور کرسی وغیرہ کا طواف کیا۔ بالآخر تمام ملائکہ اور جمیع مخلوقات عالم کو حضور ﷺ اور آپ ﷺ کی عظمت کی پہچان ہو گئی۔ حضرت ابن عباس سے اس ضمن میں اس قدر مختلف منقول ہے کہ آپ کے لیے خاک مبارک سرزمین مکہ کے مقام کعبہ سے حاصل کی گئی۔ صاحب عوارف المعارف نے اس کی تائید کی ہے۔

شیخ یوسف بن اسماعیل النبہانیؒ بھی جواہر العارف السید عبداللہ میر غنی کے تحت ان کی کتاب ”الاسئلۃ النفسیۃ“ کے حوالے سے اس امر کی تائید کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے

کہ حضور ﷺ کا پیکر بشریت بھی نور کی طرح لطیف تھا۔ سورج کی دھوپ اور چاند کی روشنی میں آپ کا سایہ نہ تھا۔ جیسا کہ قاضی عیاضؒ نے تصریح کی ہے:۔

إنه كان لا ظل لشخصه في شمس ولاقمر لأنه كان نورا۔

(الشفاء، ۱:۵۲۲)

حضور ﷺ کے پیکر اقدس کا سورج کی دھوپ اور چاند کی چاندنی میں بھی سایہ نہ تھا کیونکہ آپ مجسم نور تھے۔

اس کی وضاحت میں ملا علی قاریؒ شرح الشفاء میں فرماتے ہیں کہ یہ بات درست ہے، کیونکہ نور کا سایہ عدم جرمیت کی وجہ سے نہیں ہوتا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ بھی اسی اصول کے تحت مکتوبات میں اس امر کی تصریح کرتے ہیں اور امام نسفیؒ نے تفسیر المدارک میں یہی بات سیدنا عثمان غنیؓ کے الفاظ میں یوں روایت کی ہے:۔

إن الله ما أوقع ظلك على الارض لئلا يضع إنسان قدمه على ذالك الظل۔

(تفسیر المدارک، ۳:۱۳۵)

یارسول اللہ ﷺ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑنے دیا تاکہ کسی شخص کا قدم آپ کے سایہ مبارک پر نہ آئے۔

آپ ﷺ کی بشریت مطہرہ کی اس پاکیزہ اور نورانی جوہر کی حالت کا اندازہ اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا پیکر اقدس سایہ سے پاک ہونے کے علاوہ اس امر سے بھی پاک تھا کہ اس پر کبھی مکھی بیٹھے۔ جیسا کہ کتب سیر وفضائل میں صراحتاً منقول ہے:۔

إن الذباب كان لا يقع على جسده ولا ثيابه۔

(الشفاء، ۱:۵۲۲)

مکھی نہ آپ ﷺ کے جسد اقدس پر بیٹھتی تھی اور نہ آپ ﷺ کے لباس پر۔

سیدنا عمر فاروقؓ سے منقول ہے کہ آپ نے حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی:۔

لأن الله عصمك من وقوع الذباب

بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو

على جلدك لأنه يقع على النجاسات۔ | جسم پر مکھی کے بیٹھنے سے بھی پاک رکھا ہے کیونکہ وہ نجاستوں پر بیٹھتی ہے۔

(تفسیر المدارک '۳: ۱۳۴)

ان مقامات پر بے شک دیگر حکمتوں کی نشان دہی کی گئی ہے' مگر یہ امر تو واضح ہو جاتا ہے کہ حضور ﷺ کی بشریت مطہرہ کی لطافت و نظافت جو اس جوہری حالت کی آئینہ دار تھی' اس کا عالم کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے پیکر بشریت سے ہمہ وقت خوشگوار مہک آتی تھی۔ پسینہ مبارک کو لوگ خوشبو کے لیے محفوظ کرتے۔ امام بخاریؒ تاریخ کبیر میں لکھتے ہیں: حضور اکرم ﷺ جس راستے سے گزر جاتے لوگ فضا میں رچی ہوئی خوشبوؤں سے پہچان لیتے کہ آپ ﷺ ادھر تشریف لے گئے ہیں۔ اپنا دست مبارک کسی کے سر یا بدن سے چھو دیتے تو وہ بھی خوشبو سے پہچانا جاتا۔ الغرض ان تمام امور سے یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ بشریت محمدی ﷺ اپنی تخلیق کے لحاظ سے ہی اعلیٰ، نورانی اور روحانی لطائف سے معمور تھی۔ گویا یہ تخلیق بشریت کے ارتقائی مراحل کا وہ نقطہء کمال تھا جسے آج تک کوئی نہیں چھو سکا۔ یہ اعجاز و کمال اس شان کیساتھ فقط بشریت مصطفوی ﷺ کو ہی نصیب ہوا۔

جوہر بشریت محمدی ﷺ اور اسم مصطفیٰ ﷺ

لفظ مصطفیٰ کا مادہ صفو یا صفا ہے جس کے معنی ہیں:۔

خلوص الشیء من الشوب۔ | کسی شے کا ملاوٹ سے بالکل پاک ہونا۔

(المفردات: ۴۸۷)

اسی سے الاصطفاء ہے، جس کے معنی استصفاء (تناول الصفو' تناول صفو الشیء' کسی شے کی انتہائی صاف حالت کو حاصل کرنا) کے ہیں۔ جیسے الاختیار کے معنی تناول خیر الشیء کے آتے ہیں۔ یہاں ایک اہم نکتہ قابل توجہ ہے۔ وہ یہ کہ لفظ مصطفیٰ کا معنی منتخب اور اصطفاء کا معنی منتخب کرنا بھی ہے۔ لغت میں اجتباء کے بھی یہی معنی آتے ہیں۔ اس لحاظ سے مصطفیٰ اور مجتبیٰ کو بالعموم ہم معنی اور مترادف تصور کیا جاتا

ہے۔ مگر فی الحقیقت دونوں میں نہایت ہی لطیف فرق ہے' جو ہم یہاں واضح کرنا چاہتے ہیں:۔

إجتباء الله العبد کا معنیٰ

تخصيصه إياه بفيض إلهي يتحصل له منه أنواع من النعم بلا سعي من العبد۔	کسی شخص کو اس فیضان الٰہی کی بنا پر بطور خاص چن لینا اور بندے کی کوشش اور کسب کے بغیر اسے نعمتیں عطا کرنا۔

(المفردات:۱۷۶)

اجتباء میں بندہ بغیر کسب کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی فیضان کی بناء پر منتخب کیا جاتا ہے۔ اس انتخاب میں بھی منشاء محض اور وہب خالص کارفرما ہوتا ہے۔ یہ انتخاب بندے کی زندگی میں کسی وقت بھی ہو سکتا ہے' ضروری نہیں کہ شروع سے ہی ہو۔ جبکہ اصطفاء میں انتخاب تخلیق کے وقت سے ہی عمل میں آجاتا ہے۔

إصطفاء الله العبد کا معنیٰ ہے

إيجاده تعالى إياه صافياً عن الشوب الموجود في غيره۔ (المفردات:۴۸۸)	اللہ تعالیٰ کا کسی کو بوقت تخلیق ہی ہر قسم کی میل اور ملاوٹ سے پاک کر دینا جو دوسروں میں پائی جاتی ہے۔

إصطفاء میں بھی انتخاب اور چناؤ بندے کے کسب اور کوشش کے بغیر محض وہب الٰہی کے طور پر ہوتا ہے۔ مگر یہ بعد میں کسی وقت نہیں بلکہ تخلیق اور ایجاد کے وقت سے ہی ہو جاتا ہے۔ اس لیے اسے بوقت تخلیق ہی ہر قسم کے میل اور کثافت سے پاک و صاف کر لیا جاتا ہے اور وہ پیکر جب معرض وجود میں آتا ہے تو پہلے ہی سے ہر کثافت سے مصفّٰی ہر میل سے مزکّٰی اور ہر عیب سے منزہ ہوتا ہے' کیونکہ اس کی تخلیق ہی پیکر صفا کے طور پر ہوتی ہے۔ اس لیے اسے مصطفیٰ کہا جاتا ہے۔ یہ اصطفاء اور انتخاب وقت ایجاد ہی سے ہو چکا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضور نبی کریم ﷺ کا خمیر بشریت تیار ہوا تو اسے پہلے ہی سے صفو یعنی صفائی' نظافت اور لطافت کے اس مقام بلند تک پہنچا دیا گیا کہ عام

خلق میں اس کی کوئی نظیر اور مثال نہ تھی۔ بلکہ ملائکہ اور ارواح کو جو لطافت 'تزکیہ اور نظافت اپنی نورانیت کے باعث نصیب ہوتی ہے، وہ سب کچھ حضور ﷺ کے پیکر بشریت کو عطا کردیا گیا۔ یہ آپ کے مقام اصطفاء کا بنیادی تقاضا تھا۔ بنابریں ہمارالعاب 'پسینہ 'خون اور فضلات وغیرہ جو جسمانی کثافتوں کے باعث غلیظ ناپاک یا بیماری کا باعث ہوتے ہیں، سرور کائنات ﷺ کے جسد اطہر کے لئے انہیں بھی پاک اور معطر بلکہ باعث شفاء بنایا گیا ہے' جیسا کہ متعدد کتب حدیث و فضائل سے ثابت ہے۔ حضرت علیؓ' سہل بن سعد ساعدی' سلمہؓ' یزید بن عبدالرحمٰنؓ' عمرو بن معاذ انصاریؓ' بشیر بن عقربہ الجہنیؓ' محمد بن حاطبؓ' ابوامامہ وائل بن حجرؓ' انس بن مالکؓ' ہمام بن نفیل السعدیؓ' عبداللہ بن عمرؓ' عبداللہ بن عباسؓ' اسماء بنت ابی بکرؓ' ابو موسیٰ اشعریؓ' عبداللہ بن زبیرؓ' مالک بن سنانؓ' سعید بن منصورؓ' عمرو بن السائبؓ' سفینہؓ' جابر بن عبداللہؓ' ام ایمنؓ' سیدہ عائشہ صدیقہؓ اور دیگر صحابہ و صحابیات سے اس باب میں اس قدر احادیث اور روایات مروی ہیں کہ کوئی بھی سلیم الطبع شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس نوعیت کی احادیث صحیح بخاری' صحیح مسلم' سنن ابوداؤد' صحیح ابن حبان' طبرانی' مسند احمد بن حنبل' سنن ابن ماجہ' سنن بیہقی' ابو نعیم' معجم بغوی' مسند بزار' مستدرک حاکم' دار قطنی' الاصابہ' ابن السکن اور دیگر متعدد کتب حدیث و سیر میں مروی ہیں' جن سے اس امر کی تائید اور استشہاد ملتا ہے۔

کتابیات

نمبر شمار	کتاب	مصنّف/ متوفّی	مطبع/ سنِ اِشاعت
۱	قرآن مجید	منزّل من اللہ	=== ===
۲	التفسیر الکبیر	إمام فخر الدین رازی	دار الکتب العلمیۃ طہران
۳	الدّر المنثور	إمام جلال الدین سیُوطی، ۹۱۱ھ	دار المعرفۃ بیروت
۴	تفسیر زاد المسیر	إمام عبد الرحمٰن جوزی، ۵۹۷ھ	المکتب الإسلامی بیروت، ۱۹۸۴ء
۵	تفسیر أبی السّعود	إمام أبوسعود العمّادی، ۹۵۱ھ	إحیاء التّراث العربی بیروت
۶	تفسیر روائع البیان	إمام محمد علی الصّابونی	مکتبۃ الغزالی دمشق، ۱۹۷۷ء
۷	تفسیر المدارك	إمام عبد اللہ بن أحمد النسفی	عیسیٰ البابی الحلبی وشرکاہ، مصر
۸	المفردات	إمام راغب إصفہانی، ۴۲۵ھ	دار القلم دمشق، ۱۹۹۲ء
۹	السیرۃ الحلبیۃ	إمام علی الحلبی، ۱۰۴۴ھ	مکتبۃ إسلامیۃ بیروت، ۱۳۴۸ھ
۱۰	المواھب اللّدنیۃ	إمام محمد بن ابی بکر القسطلانی	المطبعۃ الشّرقیۃ مصر، ۱۹۰۸ء
۱۱	شرح المواھب اللدنیۃ	إمام محمد بن عبد الباقی الزّرقانی	دار المعرفۃ بیروت، ۱۹۷۳ء
۱۲	الشفاء	قاضی عیاض مالکی، ۵۴۴ھ	دار الکتاب العربی بیروت، ۱۹۸۴ء
۱۳	الحاوی للفتاوی	إمام جلال الدین سیُوطی، ۹۱۱ھ	مکتبۃ السّعادۃ مصر، ۱۹۵۹ء
۱۴	کشف الخفاء	إمام إسمٰعیل العجلونی، ۱۱۶۲ھ	دار إحیاء التّراث العربی، ۱۳۵۲ھ
۱۵	المُنجد فی اللّغۃ	=== ===	المکتبۃ الشّرقیۃ بیروت، ۱۹۸۴ء
۱۶	القاموس المحیط	علامہ محمد بن یعقوب فیروز آبادی	المؤسّسۃ العربیۃ بیروت
۱۷	کلیاتِ إقبال	علامہ محمد إقبال، ۱۹۳۸ء	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی معرکہ آراء تصانیف ﴿مئی 2005ء تک﴾

A. قرآنیات

01. عرفان القرآن (ترجمہ پارہ 1 تا 20، 29، 30)
02. عرفان القرآن (ترجمہ پارہ 1 تا 15 مجلّد)
03. تفسیر منہاجُ القرآن (سورۃُ الفاتحہ، جزوِ اوّل)
04. تفسیر منہاجُ القرآن (سورۃُ البقرہ)
05. حکمتِ اِستعاذہ
06. تسمیۃُ القرآن
07. معارِفُ الکوثر
08. فلسفۂ تسمیہ
09. معارفِ اِسم اللّٰہ
10. مَناھجُ العرفان فی لفظِ القرآن
11. لفظِ ربُّ العالمین کی علمی و سائنسی تحقیق
12. صفتِ رحمت کی شانِ اِمتیاز
13. أسمائے سورۂ فاتحہ
14. سورۂ فاتحہ اور تصورِ ہدایت
15. أسلوبِ سورۂ فاتحہ اور نظامِ فکر و عمل
16. سورۂ فاتحہ اور تعلیماتِ طریقت
17. سورۂ فاتحہ اور اِنسانی زندگی کا اِعتقادی پہلو
18. شانِ اَوّلیت اور سورۂ فاتحہ
19. سورۂ فاتحہ اور حیاتِ اِنسانی کا عملی پہلو (تصورِ عبادت)
20. سورۂ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت
21. فطرت کا قرآنی تصوّر
22. لا إکراہ فی الدین کا قرآنی فلسفہ
23. ''کنز الایمان'' کی فنی حیثیت

B. الحدیث

24. الکنز الثمین فی فضیلۃ الذکر و الذاکرین
25. الأربعین فی فضائلِ النبی الأمین ﷺ
26. الأربعین: بُشریٰ للمؤمنین فی شفاعۃِ سیدِ المرسلین ﷺ
27. البدر التمام فی الصلوٰۃ علیٰ صاحبِ الدُّنُوّ و المقام ﷺ
28. المِنْهَاجُ السَّوِيُّ
29. الأربعین: القولُ الوثیق فی مناقب الصدیق رضی اللہ عنہ
30. القَوْلُ الصَّوَابُ فِي مَنَاقِبِ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ رضی اللہ عنہ
31. رَوْضُ الْجِنَانِ فِي مَنَاقِبِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ
32. السیف الجلی علیٰ منکر ولایۃ علی علیہ السلام
33. كَنْزُ الْمَطَالِبِ فِي مَنَاقِبِ عَلِيِّ ابْنِ أَبِي طَالِب
34. الأربعین: الدرۃ البیضاء فی مناقب فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا
35. الأربعین: مرج البحرین فی مناقب الحسنین علیہما السلام
36. القول المعتبر فی الإمام المنتظر علیہ السلام

C. إیمانیات

37. أرکانِ اِیمان
38. اِیمان اور اِسلام
39. شہادتِ توحید

40. حقیقتِ توحید و رسالت
41. اِیمان بالرسالت
42. اِیمان بالکتب
43. اِیمان بالقدر
44. اِیمان بالآخرت
45. مومن کون ہے؟
46. منافقت اور اُس کی علامات

D. اِعتقادیات

47. عقیدۂ توحید اور حقیقتِ شرک
48. تصورِ بدعت اور اُس کی شرعی حیثیت
49. حیاۃ النبی ﷺ
50. مسئلہ اِستغاثہ اور اُس کی شرعی حیثیت
51. تصورِ اِستعانت
52. عقیدۂ توسل
53. عقیدۂ شفاعت
54. عقیدۂ علمِ غیب
55. شہرِ مدینہ اور زیارتِ رسول ﷺ
56. اِیصالِ ثواب اور اُس کی شرعی حیثیت
57. خوابوں اور بشارات پر اِعتراضات کا علمی محاکمہ
58. سُنّیت کیا ہے؟
59. منہاج العقائد
60. ایمان
61. اِحسان
62. البِدْعَة عِنْدَ الْأَئِمَّة وَ الْمُحَدِّثِيْن

E. سیرت و فضائلِ نبوی ﷺ

63. مقدمہ سیرۃ الرسول ﷺ (جلد اوّل)
64. سیرۃ الرسول ﷺ (جلد دُوُم)
65. سیرۃ الرسول ﷺ (جلد سوُم)
66. سیرۃ الرسول ﷺ (جلد چہارُم)
67. سیرۃ الرسول ﷺ (جلد پنجم)
68. سیرۃ الرسول ﷺ (جلد ششم)
69. سیرۃ الرسول ﷺ (جلد ہفتم)
70. سیرۃ الرسول ﷺ (جلد ہشتم)
71. سیرۃ الرسول ﷺ (جلد نہم)
72. سیرۃ الرسول ﷺ (جلد دہم)
73. سیرتِ نبوی ﷺ کا علمی فیضان
74. سیرتِ نبوی ﷺ کی تاریخی اَہمیت
75. سیرتِ نبوی ﷺ کی عصری و بین الاقوامی اَہمیت
76. قرآن اور سیرتِ نبوی ﷺ کا نظریاتی و اِنقلابی فلسفہ
77. قرآن اور شمائلِ نبوی ﷺ
78. نورِ محمدی: خِلقت سے وِلادت تک (میلاد نامہ)
78. میلاد النبی ﷺ
80. تاریخ مولدُ النبی ﷺ
81. مولد النبی ﷺ عند الأئمة و المحدثين
82. فلسفۂ معراجُ النبی ﷺ
83. حسنِ سراپائے رسول ﷺ
84. اَسمائے مصطفیٰ ﷺ
85. خصائصِ مصطفیٰ ﷺ
86. شمائلِ مصطفیٰ ﷺ
87. برکاتِ مصطفیٰ ﷺ
88. معارف الشفاء بتعريف حقوق المصطفى ﷺ

89.تحفة السرور فی تفسیر آیة نور

90.نور الأبصار بذکر النبی المختار ﷺ

91. تذکارِ رسالت

92.ذکرِ مصطفیٰ ﷺ (کائنات کی بلند ترین حقیقت)

93. فضیلتِ درود و سلام

94.ایمان کا مرکز و محور (ذاتِ مصطفیٰ ﷺ)

95. عشقِ رسول ﷺ: وقت کی اہم ضرورت

96. عشقِ رسول ﷺ: اِستحکامِ ایمان کا واحد ذریعہ

97.غلامیٔ رسول: حقیقی تقویٰ کی اَساس

98. تحفظ ناموسِ رسالت

99. اَسیرانِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ

F. ختمِ نبوت

100. مناظرۂ ڈنمارک

101. عقیدۂ ختمِ نبوت اور فتنۂ قادیانیت

102 عقیدۂ ختمِ نبوت اور مرزا غلام احمد قادیانی

103. مرزائے قادیان اور تشریعی نبوت کا دعویٰ

104. مرزائے قادیان کی دِماغی کیفیت

105. عقیدۂ ختمِ نبوت اور مرزائے قادیان کا متضاد موقف

G. عبادات

106. اَرکانِ اِسلام

107. فلسفۂ نماز

108. آدابِ نماز

109. نماز اور فلسفۂ اِجتماعیت

110. نماز کا فلسفۂ معراج

111. فلسفۂ صوم

112. فلسفہ و اَحکامِ حج

H. فقہیات

113. نص اور تعبیرِ نص

114. تحقیقِ مسائل کا شرعی اُسلوب

115. اِجتہاد اور اُس کا دائرۂ کار

116. عصرِ حاضر اور فلسفۂ اِجتہاد

117. تاریخِ فقہ میں ہدایہ اور صاحبِ ہدایہ کا مقام

118. الحکم الشرعی

119. منہاجِ شریعت

I. رُوحانیات

120. اِطاعتِ الٰہی

121. ذکرِ الٰہی

122. محبتِ الٰہی

123. خشیتِ الٰہی اور اُس کے تقاضے

124. حقیقتِ تصوف (جلد اوّل)

125. اِسلامی تربیتی نصاب (جلد اوّل)

126. اِسلامی تربیتی نصاب (جلد دُوم)

127. سلوک و تصوف کا عملی دستور

128. اَخلاق الانبیاء

129. تذکرے اور صحبتیں

130. حسنِ اَعمال

131. حسنِ اَحوال

132. حسنِ اَخلاق

133. صفائے قلب و باطن

134. فسادِ قلب اور اُس کا علاج

135. زندگی نیکی اور بدی کی جنگ ہے

136. ہر شخص اپنے نشۂ عمل میں گرفتار ہے
137. ہمارا اَصلی وطن
138. تربیت کا قرآنی منہاج
139. جرم، توبہ اور اِصلاحِ اَحوال
140. طبقات العباد
141. حقیقتِ اِعتکاف

J. اَوراد و وظائف

142. الفیوضات المحمدیۃ ﷺ
143. الأذکار الإلٰھیۃ
144. دلائل البرکات فی التحیات و الصلوات
145. مناجاتِ اِمام زین العابدین علیہ السلام

K. علمیات

146 اِسلام کا تصورِ علم
147. علم......توجیہی یا تخلیقی
148. دینی اور لادینی علوم کے اِصلاح طلب پہلو
149. تعلیمی مسائل پر اِنٹرویو

L. اِقتصادیات

150. معاشی مسئلہ اور اُس کا اِسلامی حل
151. بلاسود بنکاری کا عبوری خاکہ
152. بلاسود بنکاری اور اِسلامی معیشت
153. بجلی مہنگی کیوں؟ IPPs کا معاملہ کیا ہے؟

M. جہادیات

154. حقیقتِ جہاد
155. جہاد بالمال
156. فلسفۂ شہادتِ اِمام حسین علیہ السلام
157. شہادتِ اِمام حسین علیہ السلام (حقائق و واقعات)
158. شہادتِ اِمام حسین علیہ السلام: ایک پیغام
159. ذبحِ عظیم (ذبحِ اسماعیل علیہ السلام سے ذبحِ حسین علیہ السلام تک)

N. فکریات

160. قرآنی فلسفۂ انقلاب (جلد اول)
161. قرآنی فلسفۂ انقلاب (جلد دوم)
162. اِسلامی فلسفۂ زندگی
163. فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟
164. منہاجُ الافکار (جلد اَوّل)
165. منہاجُ الافکار (جلد دُوُم)
166. منہاجُ الافکار (جلد سوُم)
167. ہمارا دینی زوال اور اُسکے تدارک کا سہ جہتی منہاج
168. اِیمان پر باطل کا سہ جہتی حملہ اور اُس کا تدارک
169. دورِ حاضر میں طاغوتی یلغار کے چار محاذ
170. خدمتِ دین کی توفیق
171. قرآنی فلسفۂ تبلیغ
172. اِسلام کا تصورِ اِعتدال و توازن
173. نوجوان نسل دین سے دُور کیوں؟
174. تعلیماتِ اِسلام
175. تحریکِ منہاج القرآن: ”اَفکار و ہدایات“
176. تحریکِ منہاج القرآن: اِنٹرویوز کی روشنی میں
177. تحریکِ منہاج القرآن کی اِنقلابی فکر
178. روایتی سیاست یا مصطفوی اِنقلاب......!
179. اِجتماعی تحریکی کردار کے چار عناصر
180. اَہم اِنٹرویو

O. اِنقلابیات

181. نظامِ مصطفیٰ (ایک اِنقلاب آفریں پیغام)
182. حصولِ مقصد کی جدّ و جہد اور نتیجہ خیزی
183. پیغمبرانہ جد و جہد اور اُس کے نتائج
184. پیغمبرِ اِنقلاب اور صحیفۂ اِنقلاب
185. قرآنی فلسفۂ عروج و زوال
186. باطل قوتوں کو کھلا چیلنج
187. سفرِ اِنقلاب
188. مصطفوی اِنقلاب میں طلبہ کا کردار
189. سیرت النبی ﷺ اور اِنقلابی جدّ و جہد
190. مقصدِ بعثت انبیاء علیہم السلام

P. سیاسیات

191. سیاسی مسئلہ اور اُس کا اِسلامی حل
192. تصوّرِ دین اور حیاتِ نبوی ﷺ کا سیاسی پہلو
193. نیو ورلڈ آرڈر اور عالمِ اِسلام
194. آئندہ سیاسی پروگرام

Q. قانونیات

195. میثاقِ مدینہ کا آئینی تجزیہ
196. اِسلامی قانون کی بنیادی خصوصیات
197. اِسلامی اور مغربی تصوّرِ قانون کا تقابلی جائزہ
198. اِسلام میں سزائے قید اور جیل کا تصور

R. شخصیات

199. پیکرِ عشقِ رسول: سیدنا صدیقِ اَکبر رضی اللہ عنہ
200. فضائل و مراتب سیدنا فاروقِ اَعظم رضی اللہ عنہ
201. حبِ علی کرم اللہ وجہہ الکریم
202. سیرتِ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا
203. سیرتِ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
204. سیرتِ سیدۂ عالم فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا
205. شاہ ولی اللہ محدث دِہلوی اور فلسفۂ خودی
206. حضرت مولانا شاہ اَحمد رضا خاں (بریلوی) کا علمی نظم
207. اِقبالؒ کا خواب اور آج کا پاکستان
208. اِقبالؒ اور پیغامِ عشقِ رسول ﷺ
209. اِقبال اور تصوّرِ عشق
210. اِقبال کا مردِ مومن

S. اِسلام اور سائنس

211. اِسلام اور جدید سائنس
212. تخلیقِ کائنات (قرآن اور جدید سائنس کا تقابلی مطالعہ)
213. اِنسان اور کائنات کی تخلیق و اِرتقاء
214. اَمراضِ قلب سے بچاؤ کی تدابیر
215. شانِ اَولیاء (قرآن اور جدید سائنس کی روشنی میں)

T. عصریات

216. اِسلام میں اِنسانی حقوق
217. حقوقِ والدین
218. اِسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام
219. عصرِ حاضر کے جدید مسائل اور ڈاکٹر محمد طاہر القادری

U. عربی کتب

220. معهد منهاج القرآن
221. التصوّر الإسلامی لطبيعةِ البشرية
222. نهج التربيةِ الإجتماعيةِ في القرآن الكريم

223. التصوّر التشریعی للحکم الإسلامی

224. فلسفۃ الإجتہاد و العالم المعاصر

225. الجریمۃ فی الفقہِ الإسلامی

226. منہاجُ الخطبات للعیدینِ و الجمعات

227. قواعدُ الإقتصادِ فی الإسلام

228. الإقتصاد الأربوی و نظام المصرفی الإسلام

V. انگریزی کتب

229. Irfan-ul-Qur'an (English Translation of the Holy Qur'an, Part 1)
230. Sirat-ur-Rasul ﷺ, vol. 1
231. The Ghadir Declaration
232. The Awaited Imam
233. Creation of Man
234. Islamic Penal System and its Philosophy
235. Beseeching for Help (*Isghathah*)
236. Islamic Concept of Intermediation (*Tawassul*)
237. Real Islamic Faith and the Prophet's Stature
238. Greetings and Salutations on the Prophet (ﷺ)
239. Spiritualism and Magnetism
240. Islam on Prevention of Heart Diseases
241. Islamic Philosophy of Human Life
242. Islam in Various Perspectives
243. Islam and Christianity
244. Islam and Criminality
245. Qur'anic Concept of Human Guidance
246. Islamic Concept of Human Nature
247. Divine Pleasure
248. Qur'anic Philosophy of Benevolence (*Ihsan*)
249. Islam and Freedom of Human Will
250. Islamic Concept of Law
251. Philosophy of Ijtihad and the Modern World
252. Qur'anic Basis of Constitutional Theory
253. Islam - The State Religion
254. Legal Character of Islamic Punishments
255. Legal Structure of Islamic Punishments
256. Classification of Islamic Punishments
257. Islamic Philosophy of Punishments
258. Islamic Concept of Crime
259. Qur'an on Creation and Expansion of the Universe
260. Creation and Evolution of the Universe
261. Virtues of Sayyedah Fatimah (سلام اللہ علیہا)

A. قرآنیات

01. عرفانُ القرآن (ترجمہ پارہ 1 تا 20، 29، 30)
02. عرفانُ القرآن (ترجمہ پارہ 1 تا 15 مجلّد)
03. تفسیر منہاجُ القرآن (سورۃُ الفاتحہ، جزو اوّل)
04. تفسیر منہاجُ القرآن (سورۃُ البقرہ)
05. حکمتِ اِستعاذہ
06. تسمیۃُ القرآن
07. معارِفُ الکوثر
08. فلسفۂ تسمیہ
09. معارفِ اِسمِ اللہ
10. مَناهِجُ العرفان فی لفظِ القرآن
11. لفظِ ربّ العالمین کی علمی و سائنسی تحقیق
12. صفتِ رحمت کی شانِ اِمتیاز
13. اَسمائے سورۂ فاتحہ
14. سورۂ فاتحہ اور تصورِ ہدایت
15. اُسلوبِ سورۂ فاتحہ اور نظامِ فکر و عمل
16. سورۂ فاتحہ اور تعلیماتِ طریقت
17. سورۂ فاتحہ اور اِنسانی زندگی کا اِعتقادی پہلو
18. شانِ اَوّلیت اور سورۂ فاتحہ
19. سورۂ فاتحہ اور حیاتِ اِنسانی کا عملی پہلو (تصورِ عبادت)
20. سورۂ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت
21. فطرت کا قرآنی تصوّر
22. لا إکراہ فی الدین کا قرآنی فلسفہ
23. "کنز الایمان" کی فنی حیثیت

B. الحدیث

24. الکنز الثمین فی فضیلۃ الذکر و الذاکرین
25. الأربعین فی فضائل النبی الأمین ﷺ
26. الأربعین: بُشریٰ للمؤمنین فی شفاعةِ سیدِ المرسلین ﷺ
27. البدر التمام فی الصلوٰۃ علیٰ صاحبِ الدُّنوّ و المقام ﷺ
28. المِنْهَاجُ السَّوِيّ
29. الأربعین: القولِ الوثیق فی مناقب الصدیق رضی اللہ عنہ
30. القَوْلُ الصَّوَابُ فِي مَنَاقِبِ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ رضی اللہ عنہ
31. رَوْضُ الْجِنَانِ فِي مَنَاقِبِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ
32. السیف الجلی علیٰ منکر ولایۃ علی علیہ السلام
33. كَنْزُ الْمَطَالِبِ فِيْ مَنَاقِبِ عَلِيِّ ابْنِ أَبِيْ طَالِب
34. الأربعین: الدرة البیضاء فی مناقب فاطمة الزہراء سلام اللہ علیہا
35. الأربعین: مرج البحرین فی مناقب الحسنین علیہما السلام
36. القول المعتبر فی الإمام المنتظر علیہ السلام

C. اِیمانیات

37. اَرکانِ اِیمان
38. اِیمان اور اِسلام
39. شہادتِ توحید

D. اِعتقادیات

E. سیرت و فضائلِ نبوی ﷺ

F. ختمِ نبوت

G. عبادات

H. فقہیات

I. رُوحانیات

136. ہر شخص اپنے نشۂ عمل میں گرفتار ہے

137. ہمارا اَصلی وطن

138. تربیت کا قرآنی منہاج

139. جرم، توبہ اور اِصلاحِ اَحوال

140. طبقاتُ العباد

141. حقیقتِ اِعتکاف

J. اَوراد و وظائف

142. الفیوضات المحمدیة ﷺ

143. الأذکار الإلٰـهیة

144. دلائل البرکات فی التحیات و الصلوٰت

145. مناجاتِ اِمام زینُ العابدین علیہ السلام

K. علمیات

146 اِسلام کا تصورِ علم

147. علم ...... توجیہی یا تخلیقی

148. دینی اور لادینی علوم کے اِصلاح طلب پہلو

149. تعلیمی مسائل پر اِنٹرویو

L. اِقتصادیات

150. معاشی مسئلہ اور اُس کا اِسلامی حل

151. بلاسود بنکاری کا عبوری خاکہ

152. بلاسود بنکاری اور اِسلامی معیشت

153. بجلی مہنگی کیوں؟ IPPs کا معاملہ کیا ہے؟

M. جہادیات

154. حقیقتِ جہاد

155. جہاد بالمال

156. فلسفۂ شہادتِ اِمام حسین علیہ السلام

157. شہادتِ اِمام حسین علیہ السلام (حقائق و واقعات)

158. شہادتِ اِمام حسین علیہ السلام: ایک پیغام

159. ذبحِ عظیم (ذبحِ اسماعیل علیہ السلام سے ذبحِ حسین علیہ السلام تک)

N. فکریات

160. قرآنی فلسفۂ انقلاب (جلد اول)

161. قرآنی فلسفۂ انقلاب (جلد دوم)

162. اِسلامی فلسفۂ زندگی

163. فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟

164. منہاجُ الافکار (جلد اَوّل)

165. منہاجُ الافکار (جلد دُوُم)

166. منہاجُ الافکار (جلد سوُم)

167. ہمارا دینی زوال اور اُسکے تدارک کا سہ جہتی منہاج

168. اِیمان پر باطل کا سہ جہتی حملہ اور اُس کا تدارک

169. دورِ حاضر میں طاغوتی یلغار کے چار محاذ

170. خدمتِ دین کی توفیق

171. قرآنی فلسفۂ تبلیغ

172. اِسلام کا تصورِ اِعتدال و توازُن

173. نوجوان نسل دین سے دُور کیوں؟

174. تعلیماتِ اِسلام

175. تحریکِ منہاج القرآن: ''اَفکار و ہدایات''

176. تحریکِ منہاج القرآن: اِنٹرویوز کی روشنی میں

177. تحریکِ منہاج القرآن کی اِنقلابی فکر

178. روایتی سیاست یا مصطفوی اِنقلاب ......!

179. اِجتماعی تحریکی کردار کے چار عناصر

180. اَہم اِنٹرویو

O. اِنقلابیات

181. نظامِ مصطفیٰ (ایک اِنقلاب آفریں پیغام)
182. حصولِ مقصد کی جدّ و جہد اور نتیجہ خیزی
183. پیغمبرانہ جد و جہد اور اُس کے نتائج
184. پیغمبرِ اِنقلاب اور صحیفۂ اِنقلاب
185. قرآنی فلسفۂ عروج و زوال
186. باطل قوتوں کو کھلا چیلنج
187. سفرِ اِنقلاب
188. مصطفوی اِنقلاب میں طلبہ کا کردار
189. سیرت النبی ﷺ اور اِنقلابی جدّ و جہد
190. مقصدِ بعثت انبیاء علیہم السلام

P. سیاسیات

191. سیاسی مسئلہ اور اُس کا اِسلامی حل
192. تصوّرِ دین اور حیاتِ نبوی ﷺ کا سیاسی پہلو
193. نیو ورلڈ آرڈر اور عالمِ اِسلام
194. آئندہ سیاسی پروگرام

Q. قانونیات

195. میثاقِ مدینہ کا آئینی تجزیہ
196. اِسلامی قانون کی بنیادی خصوصیات
197. اِسلامی اور مغربی تصوّرِ قانون کا تقابلی جائزہ
198. اِسلام میں سزائے قید اور جیل کا تصور

R. شخصیات

199. پیکرِ عشقِ رسول: سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ
200. فضائل و مراتبِ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ
201. حبِ علی کرم اللہ وجہہ الکریم
202. سیرتِ حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا
203. سیرتِ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
204. سیرتِ سیدۂ عالم فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا
205. شاہ ولی اللہ محدث دِہلوی اور فلسفۂ خودی
206. حضرت مولانا شاہ اَحمد رضا خاں (بریلوی) کا علمی نقم
207. اِقبالؒ کا خواب اور آج کا پاکستان
208. اِقبالؒ اور پیغامِ عشقِ رسول ﷺ
209. اِقبال اور تصوّرِ عشق
210. اِقبال کا مردِ مومن

S. اِسلام اور سائنس

211. اِسلام اور جدید سائنس
212. تخلیقِ کائنات (قرآن اور جدید سائنس کا تقابلی مطالعہ)
213. اِنسان اور کائنات کی تخلیق و اِرتقاء
214. اَمراضِ قلب سے بچاؤ کی تدابیر
215. شانِ اَولیاء (قرآن اور جدید سائنس کی روشنی میں)

T. عصریات

216. اِسلام میں اِنسانی حقوق
217. حقوقِ والدین
218. اِسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام
219. عصرِ حاضر کے جدید مسائل اور ڈاکٹر محمد طاہر القادری

U. عربی کتب

220. معھد منهاج القرآن
221. التصوّر الإسلامی لطبیعة البشریة
222. نهج التربیة الإجتماعیة فی القرآن الکریم

223. التصوّر التشريعي للحكم الإسلامي

224. فلسفةُ الإجتهاد و العالم المعاصر

225. الجريمة فى الفقهِ الإسلامي

226. منہاجُ الخطبات للعيدين و الجمعات

227. قواعدُ الإقتصادِ فى الإسلام

228. الإقتصاد الأربوى و نظام المصرفى الإسلام

V. انگریزی کتب

229. Irfan-ul-Qur'an (English Translation of the Holy Qur'an, Part 1)
230. Sirat-ur-Rasul ﷺ, vol. 1
231. The Ghadir Declaration
232. The Awaited Imam
233. Creation of Man
234. Islamic Penal System and its Philosophy
235. Beseeching for Help (*Istighathah*)
236. Islamic Concept of Intermediation (*Tawassul*)
237. Real Islamic Faith and the Prophet's Stature
238. Greetings and Salutations on the Prophet (ﷺ)
239. Spiritualism and Magnetism
240. Islam on Prevention of Heart Diseases
241. Islamic Philosophy of Human Life
242. Islam in Various Perspectives
243. Islam and Christianity
244. Islam and Criminality
245. Qur'anic Concept of Human Guidance
246. Islamic Concept of Human Nature
247. Divine Pleasure
248. Qur'anic Philosophy of Benevolence (*Ihsan*)
249. Islam and Freedom of Human Will
250. Islamic Concept of Law
251. Philosophy of Ijtihad and the Modern World
252. Qur'anic Basis of Constitutional Theory
253. Islam - The State Religion
254. Legal Character of Islamic Punishments
255. Legal Structure of Islamic Punishments
256. Classification of Islamic Punishments
257. Islamic Philosophy of Punishments
258. Islamic Concept of Crime
259. Qur'an on Creation and Expansion of the Universe
260. Creation and Evolution of the Universe
261. Virtues of Sayyedah Fatimah (سلام اللہ علیہا)

مفکر اسلام مفسر قرآن
پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ
کی معرکتہ الآراء تصانیف جو اسلامی تہذیب و ثقافت کی تمام تر علمی و فکری وجاہت کی مظہر ہیں اور ذہن جدید میں تیقن کے چراغ روشن کر رہی ہیں۔
قرآنیات، سیرت و فضائل، اعتقادیات، الہیات، روحانیات، اخلاقیات، عبادات، تعلیمات، اقتصادیات، جہادیات، فکریات، انقلابیات، سیاسیات، قانونیات، شخصیات، سائنس اور عصری موضوعات پر مشتمل اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا درد رکھنے والے ہر صاحب ایمان کے گھر، ہر تعلیمی ادارے اور ہر کتب خانے کی ضرورت ہیں۔
نوٹ: فہرست اندر کے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں (ادارہ)
ملنے کا پتہ:
365 ۔ ایم بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور 3-5168514-5169111
B-16 المالک پلازہ عقب جہانگیر پارک داؤد پوتا روڈ کراچی 7214439-
البلال پلازہ چاندنی چوک مری روڈ راولپنڈی 455348-
B-27 فرخ پلازہ المرکز G-9 کراچی کمپنی اسلام آباد 7-2525571
ذکریا چیمبرز۔ صدر روڈ پشاور کینٹ
سیکٹر سی تھری فاضل چوک میرپور آزاد کشمیر
احمد بلڈنگ عامدار روڈ کوئٹہ